مولانا ابوالکلام آزاد بین الاقوامی مضمون نگاری مقابلہ

(انعام یافتہ مضامین ۲۰۰۲ء)

مولانا آزاد کی نظروں میں اسلام کا پیغام امن و آشتی

مولانا ابوالکلام آزاد

بین الاقوامی مضمون نگاری مقابلہ

(انعام یافتہ مضامین ۲۰۰۲ء)

مولانا آزاد

کی نظروں میں اسلام کا پیغام امن و آشتی

انڈین کاؤنسل فار کلچرل ریلیشنز، نئی دہلی

عرض ناشر

مولانا ابوالکلام آزاد ہندوستان کی آزادی کے عظیم معماروں میں سے ایک اہم شخصیت تھے۔ انہوں نے ہندوستان کے پہلے وزیر تعلیم کی حیثیت سے جدید ہندوستان کی تعمیر میں کلیدی کردار ادا کیا۔ آزاد ہندوستان کی تعلیمی پالیسی میں مولانا آزاد کی بصیرت اور دوررس نگاہوں کے ہم رہین منت ہیں۔ ان کے افکار ونظریات ملک کو تمام چیلنجز کا سامنا کرنے اور ذمہ داریاں کو بخوبی انجام دینے میں ممد ومعاون ہیں۔

مولانا آزاد کی نمایاں کوششوں میں سے بیرونی ممالک کے ساتھ قریبی ثقافتی تعلقات کی اہمیت اجاگر اور استوار کرنا ہے۔ مولانا آزاد سالانہ مضمون نویسی مقابلہ کا مقصد لوگوں کو مولانا کے افکار ونظریات کا مطالعہ کرانا ہے۔

میں مضمون نگاری کے مقابلے کے تمام شرکاء اور مقابلے کے فیصلوں

مولانا آزاد کی نظروں میں اسلام کا پیغام امن وآشتی

مرتب: صہیب عالم

ناشر:

راکیش کمار

ڈائرکٹر جنرل

انڈین کاؤنسل فار کلچرل ریلیشنز،

آزاد بھون، آئی۔ پی۔ اسٹیٹ، نئی دہلی-۱۱۰۰۰۲

تزین وطباعت:

شپرا پبلیکیشنز، دہلی-۱۱۰۰۹۲

پس منظر

جناب ہمایوں کبیر، اس وقت کے وزیر شہری ہوابازی، نے ۱۱ مارچ ۱۹۵۸ء کو جب انڈین کاؤنسل فار کلچرل ریلیشنز کو مولانا آزاد کی کتاب ''انڈیا ونس فریڈم'' کا مسودہ اس درخواست کے ساتھ پیش کیا کہ اشاعت سے حاصل ہونے والی رقم سے ''مولانا آزاد انعامی فنڈ'' قائم کیا جائے۔ منافع کی رقم سے کسی غیر مسلم ہندوستانی شہری کا اسلام پر اور کسی ہندوستانی مسلمان کا ہندو مذہب پر انگریزی میں لکھے گئے دو بہترین مضامین کو سالانہ انعام کے لئے منتخب کیا جائے۔ ان معمولی شروعات سے مولانا آزاد مضمون نگاری مقابلہ کا ۱۹۸۹ میں آغاز کیا گیا۔ یہی سال ملک کے پہلے وزیر تعلیم اور انڈین کاؤنسل فار کلچرل ریلیشنز کے بنیاد گزار صدر کی سوسالہ پیدائش کا زمانہ بھی تھا۔

ہندوستان اور سارک ممالک کے ۳۰ سال سے کم عمر رکھنے والے تمام شہریوں کے لئے یہ مقابلہ عام ہے۔ موضوعات عام طور پر مولانا آزاد کی زندگی،

میں شامل جیوری کے مقتدر ارکان کی صبر آزماں کوششوں کے لئے تہہ دل سے معترف ہوں۔

میں انعام یافتہ مقالات کو کتاب کی شکل میں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں، اس امید کے ساتھ کہ یہ کتاب آپ کے لیے دلچسپ ثابت ہوگی۔

راکیش کمار

ڈائرکٹر جنرل

فہرست

نظریات اور تصورات سے متعلق ہوتے ہیں۔ انعام مالی رقم اور سند پر مشتمل ہوتا ہے۔ کسی معزز شخصیت کے ہاتھ انڈین کونسل فار کلچرل ریلیشنز کے زیر اہتمام منعقد کئے جانے والے مخصوص جلسے میں یہ انعامات پیش کئے جاتے ہیں۔ سن ۱۹۹۰ء میں یہ طے کیا گیا تھا کہ کسی مشترک عنوان پر اردو، ہندی اور انگریزی زبانوں میں مضامین تسلیم کئے جائیں گے۔ سن ۹۵-۱۹۹۴ء میں ان تینوں زبانوں میں مقابلے کے لئے وسیع تر موضوعات پسند کئے گئے۔ سن ۲۰۰۳ء کے لئے حسب ذیل عنوانات تھے۔

اردو: مولانا ابوالکلام آزاد کی نظر میں اسلام کا پیغامِ امن وآشتی

عربی. الهند كمهد للديانات فى ضوء كتابات مولانا ابوالكلام آزاد

ہندی: راشٹریہ نیرمان میں مہیلاؤں کا یوگدان: سندھرو مولانا آزاد

انگریزی: ایمپیکٹ آف ٹکنولوجی اون سوسائٹی

سن ۲۰۰۳ء مضمون نگاری کے مقابلے میں انعام پانے والے بائیس میں ایک ایک سعودی عربیہ، عمان، میانمار، نیپال اور سورینام کے نوجوان بھی شامل تھے۔

❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖

مولانا آزاد کی نظروں میں

اسلام کا پیغام امن وآشتی

- محمد اختر عبدالجلیل

مولانا ابوالکلام آزادؒ (۱۹۵۸ء-۱۸۸۸ء)

ان نابغۂ روزگار شخصیات میں شمار ہوتے ہیں جو تاریخ کے صفحات پر خال خال نظر آتے ہیں۔تقلید وجمود کے منکر اور خالص مجتہدانہ شان کے حامل اس عبقری انسان نے اگر ایک طرف صحافت اور سیاست کی گرم بازاری میں حصہ لیا تو دوسری طرف ''ترجمان القرآن'' اور اپنی دیگر مذہبی تحریروں کے ذریعہ اسلام کی صحیح اور سچی تصویر پیش کی۔

مذہب اسلام کی کرنیں ڈیڑھ ہزار برس سے اس عالم پر ضیاء پاشی کررہی ہیں۔اس مذہب کا دائرہ اثر دنیا کے کسی مخصوص علاقہ یا قوم تک محدود نہیں

کر دیا گیا تھا۔

مولانا ابو الکلام آزادؒ نے اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ اس عالم کون وفساد میں معرکہ آرائی کا سلسلہ روز ازل سے قائم ہے، البتہ اس کو فرقہ واریت کے تناظر میں وہ دیکھنے کے روادار نہیں ہیں بلکہ وہ اس معرکہ کو صلح و جنگ اور خیر وشر کا معرکہ بتاتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''دنیا کی پہلی لڑائی ابن آدم کے بیٹوں کے درمیان ہوئی تھی۔ لیکن یہ دونوں درحقیقت آدم کے بیٹے نہ تھے بلکہ ''جنگ وصلح'' کی مجسم تصویر تھے۔ ایک بھائی نے صلح کا ہاتھ بڑھایا اور کہا تم میرے قتل پر آمادہ نہ ہو، لیکن آخر ظلم و جور صلح وامن پر غالب آئی اور اپنے آپ کو بہیمیت سے نہ روک سکی، اسلام اس صلح ہابیل کا آخری نتیجہ ہے۔ اور اسی امن وآشتی اور نظام عدل کی آخری کڑی ہے۔ اسلام سے قبل بھی دنیا اسی فطرت پر عمل کر رہی تھی، عرب وعجم کی تمام لڑائیاں بغض وحسد ہی کا نتیجہ ہوا کرتی تھیں، اہل دنیا نے امن وآشتی کے معنی کو بدل دیا تھا، ایک سلطنت دوسری سلطنت پر قابض ہونا چاہتی تھی، اسلام آیا اور اس ظالمانہ نظام کو بدل کر پوری دنیا میں امن وامان قائم کیا، آج پھر دنیا

ہے، مغرب میں بحر اٹلانٹک سے لے کر مشرق کی دیوار چین تک اس مذہب کے ماننے والے موجود ہیں۔ گو آسمانی مذاہب کی تاریخ میں اس کا زمانہ متاخر ہے۔ یہودیت اور نصرانیت کو اس کے بالمقابل تقدم زمانی حاصل ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ اپنی حیرت انگیز نشر واشاعت کے سبب مذہب اسلام محض ایک صدی کے عرصہ میں پورے عالم میں شناسا ہو گیا اور دنیا کے ایک طویل رقبہ پر اس کے پیروؤں کی حکمرانی قائم ہوئی۔

البتہ یہ ضروری ہے کہ پچھلی چند صدیوں سے اس کے پیروکار محکومانہ زندگی گزار رہے ہیں۔ اندلس میں مسلم سلطنت کے زوال کے بعد قوم مسلم کو ایسی ضرب کاری لگی کہ پھر اس کو سنبھلنا نصیب نہ ہوا۔ اور آخر کار سلطنت عثمانیہ کی صورت میں جو اس کا ایک ظاہری ڈھانچہ بھی کھڑا تھا وہ بھی منہدم کر دیا گیا۔ اور اسی دور سے مذہب اسلام پر فکری یورش کا ایک لامتناہی سلسلہ قائم ہو گیا۔

اس فکری یلغا کو روکنے کے لئے جو چند نفوس آگے بڑھے ان میں ایک اہم نام مولانا ابوالکلام آزادؒ کا بھی ہے۔ جنہوں نے ان فکری حملوں سے متاثر ہو کر نہ تو معذرت خواہی کا انداز اختیار کیا اور نہ ہی قرآن وحدیث کی من مانی تاویل کی۔ بلکہ نہایت وضاحت کے ساتھ اسلام کے بعض ان پہلوؤں کی نشاندہی کی جن کو نظر انداز

اختیار کرنے کی تلقین کی ہے اور اسی کے لحاظ سے بعض آیتوں کی بڑی دلنشیں تفسیر کی ہے۔ انہوں نے اس تفسیر کے ذریعہ یہ ذہن سازی کی ہے کہ اسلام دیگر مذاہب قدیمہ کا مدمقابل نہیں بلکہ وہ اپنے عہد وماحول کے لحاظ سے سابقہ شرائع کی تکمیل کرتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے شریعت موسوی اور عیسوی کا موازنہ کرتے ہوئے یہ دکھایا ہے کہ اول الذکر میں انتقام ہی انتقام ہے اور عفوودرگذر کی کوئی گنجائش نہیں۔ اوراس کے برعکس شریعت مسیحی محض عفوودرگذر کی تعلیم دیتی ہے مگر ملکی معاملات اور قصورواروں کوسزا دینے کے سلسلے میں یہ خاموش ہے۔ اس کے بالمقابل ''اسلامی تعلیمات میں جہاں عفودرگذر کی تعلیم دی گئی ہے۔ وہیں ظالموں کوسزا کا حق دار بھی ٹھہرایا گیا ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ اس سلطان عادل کے جلال، امنیت عالم کے احترام، نظام مدنیت کے قوام اور قانون عدالت کے ہیبت کے ساتھ فرمایا:

'' فمن اعتدى عليكم فاعتدوا عليه بمثل ما اعتدى عليكم واعلموا ان الله مع المتقين'' (سورة بقرة:١٩٦)

''ترجمہ جوتم پرتعدی (زیادتی) کرے تم بھی اسی طرح اوراسی قدراس پرتعدی (زیادتی) کرو۔ خداسے ڈرواوریقین کرو، خدا

جنگ کدہ بنی ہوئی ہے، ہر طرف امن و امان کی سعی لا حاصل ہورہی ہے، لیکن ان کے پاس کوئی نسخۂ کیمیا نہیں ہے اور یہ اسلام کے نسخۂ کیمیا کو اپنانا محض اسلام دشمنی کی وجہ سے نہیں چاہتے۔ جب کہ تمام اہل دانش کی نگاہیں اس وقت نبی اکرم ﷺ اور خلفاء راشدین کے پر عہد مبذول ہیں کہ وہ کون سا فارمولا تھا جس کا نفاذ عمل میں لا کر پوری دنیا کو امن وآشتی سے پر کر دیا تھا، اس کا جواب نہایت ہی مختصر ہے یعنی قرآن حکیم''۔

اسلام قدیم آسمانی کتابوں کا مکمل ہے:

امن وآشتی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ فرقہ بندی اور مذہبی خول میں بند ہونا ہے اور اسی کے سبب سے انسانوں کے درمیان بغض وعداوت اور نفرت وحقارت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں جس کے نتیجہ میں انسان اپنے ہم جنسوں کا مخالف بن جاتا ہے اور یہی وہ بنیاد ہے جس نے نزول قرآن کے وقت اہل کتاب کو دین حق کے قبل کرنے سے دور رکھا۔ قرآن مجید اسی فکری لغزش کی اصلاح کے لیے جا بجا یہ اعلان کرتا ہے کہ اس کا لایا ہوا دین کوئی نیا دین نہیں بلکہ یہ شریعت موسوی وعیسوی کی تکمیل کرتا ہے۔

مولانا آزادؒ نے موجودہ مذہبی منافرت کے ماحول میں اسی نسخۂ کیمیا کو

مولانا آزاداس مقام پرعفوودرگذرکی تعلیم کوغیرمناسب سمجھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ:

''یہی وہ مقام ہے جہاں اسلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کا حکم دیا ہے کہ'' جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ'' تاکہ دنیا سے شروفساد، قتل وخونریزی کا خاتمہ کرکے اخوت ومحبت، صلح وسلام اورامن وآشتی کا قیام عمل میں آسکے۔ اورعوام الناس بےخوف ہوکرچین وسکون کی زندگی گزارسکیں''۔

مولانا آزاد نے اسی حقیقت کواپنے مخصوص منطقی پیرایۂ بیان میں یوں سمجھایا ہے لکھتے ہیں۔

''امن کا قیام اخلاق اورقانون کے باہمی تناسب وتوازن پرمبنی ہے۔ کیونکہ اخلاق اگرقتل نہ کرنے کی تلقین کرتا ہےتو قانون قاتل کوسزائے موت کاحکم صادرکرتاہے۔مقصد دونوں کا انسانی زندگی کی حفاظت اورمثالی معاشرہ کی تشکیل ہے۔ان میں ذراسی بے اعتدالی ملکی وسماجی نظام کودرہم برہم کردے گی۔ اخلاق کا واعظ کہتا ہے کہ''قتل مت کرو'' اورعدالت فیصلہ صادرکرتی کہ'' قاتل کو پھانسی پرچڑھاؤ'' دونوں کا مقصدایک ہی ہے اورٹھیک

اپنے سے ڈرنے والوں کے ساتھ ہے''۔

مولانا آزادؒ نے اس تشریح کے ذریعہ آسمانی مذاہب کو ایک دوسرے کا مدمقابل قرار دینے کے بجائے ایک دوسرے کا مصدق ومکمل بتایا ہے وہ لکھتے ہیں:

> '' اسلام جہاں پچھلی شریعتوں کی تکمیل کرتا ہے وہیں دنیا کے لئے جامع وصالح نظام بھی پیش کرتا ہے۔اس نے صرف یہ نہیں کہا کہ ''دشمنوں کے شدائد کے ساتھ تحمل کرو'' بلکہ یہ بھی کہا کہ احسان کرو اور برائی کو انگیز کرو اور اس کی جزا نیکی سے دو کیونکہ یہ حصول امن کا ذریعہ اور کسب صلح وسلام کی تدبیر ہے''۔

مولانا آزادؒ نے توریت وانجیل کے متضاد موقف کے درمیان جمع وتطبیق کی کوشش بھی کی ہے اور اسلام کے نظام امن کو اس سلسۂ نبوت کا ایک جز بھی دکھایا ہے۔چنانچہ مذہب اسلام کی مروت، نرمی اور لطف کو وہ حضرت مسیحؑ کی تعلیم کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔مگر جو شر پسند اس نرمی کا بیجا فائدہ اٹھاتے ہیں اور جس کے نتیجہ میں برائی پورے انسانی معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ایسے لوگوں کے بارے میں شریعت موسوی کا تازیانہ رکھا گیا ہے۔

گرفت نہیں ہوتی تو وہ خودرو پودوں کی طرح دن رات بڑھتے ہیں اور دنیا میں اسی مزاج کا ماحول بن جاتا ہے اس صورت حال کے بارے میں مولانا زاد لکھتے ہیں کہ:

''قرآن نے بعض جرائم کو اکبرالجرائم قرار دیا ہے اور قتل نفس کو معصیت کبری قرار دیا ہے تاہم بقائے حفظ عالم وامنیت انسانی وقیام عدل ونظام کے لئے دوطرح کے لوگوں کا خون بہانا صرف جائز ہی نہیں بلکہ ضروری والزام بھی بتایا ہے۔

ا-ایک وہ شخص جو کسی مظلوم انسان کا ناحق خون کرے تو اس سے قصاص لیا جائے گا، کہ اس کے عمل بد سے دنیا محفوظ رہے اور اس کا اقدام خونی متعدی نہ ہو۔

۲- دوسرا وہ جو زمین کے امن وسلامتی کو برباد اور قوموں کے سکون وراحت کو غارت کرتا ہے جو انسانوں کے خون کی عزت نہیں کرتا، جس کا وجود دنیا کے لئے مصائب وحوادث موجب برہمی صلح وسلام ہے۔اور جو انسانوں کے قدرتی حقوق اور خدا کی بخشی ہوئی آزادی وخودمختاری کو غارت کرنا چاہتا ہے وہ بھی قتل کیا جائے گا کہ فی الحقیقت اس کی موت دنیا کی زندگی ہے۔''

ٹھیک دونوں انسانی زندگی اور حقوق طبعی کے محافظ ہیں۔ پہلا خون روکنے کے لیے ایسا کہتا ہے تو دوسرا کا بھی فیصلہ خون ہی کی حفاظت کے لئے ہے۔ .. ۔ ان دونوں عنصروں کو جو الگ الگ تھے اعتدال کے ساتھ اس طرح ترتیب دیا کہ قانون کا عدل اور اخلاق کا رحم دونوں باہم مل گئے اور امنیت و نظام انسانی کا ایک مرکب صحیح وسالم پیدا ہو گیا۔ اگر ایک لمحہ، ایک دقیقہ کے لئے بھی اس کی حکومت دنیا سے اٹھ جائے اور صرف ''تورات'' کی قساوت یا ''انجیل'' کی محبت دنیا پر مسلط ہو جائے ،تو دونوں حالتوں میں دنیا امن ومدنیت اور صلح وآشتی کی جگہ قتل وخونریزی، نہب وسلب، وحشت وسبعیت اور جرائم ومعاصی کا ایک شیطان کدہ بن جائے''۔

قصاص نظام عدل کی ایک اہم اساس ہے:

قیام امن وآشتی اسلام کا گوہر مقصود ہے، اسلام نے اس کی پائدار بنیاد بھی استوار کی ہے، چنانچہ ظالم کا ہاتھ نہ پکڑنا اور اس کے ساتھ درگذر کا معاملہ کرنا کبھی قیام امن کی راہ ہموار نہیں کرسکتا ہے۔ اسی ضرورت کے تحت اسلام نے قصاص کا نظام رکھا ہے۔ جو درحقیقت شریعت موسوی سے مستفاد ہے اور اس کا مقصد قیام عدل کی مضبوط بنیاد فراہم کرنا ہے۔ واقعہ بھی یہ ہے کہ جب جرائم پر

ہے تا کہ انسانی زندگی کا احترام اور انسانی حقوق حیات کا اعتراف کیا جائے لیکن اگر اس عفوو درگذر، تعلیم حفظ نفس اور عدم قتل وخونریزی ہے خود ہی اصل الاصول خطرے میں پڑ جائے۔ جس کی بنا پر یہ تمام اصول قائم کئے گئے تھے تو اس کے سوا چارہ نہیں کہ جس طرح انسانی زندگی وحقوق کی حفاظت کے لئے منع قتل کی تعلیم دی جاتی تھی، ٹھیک ٹھیک اسی طرح انسانی زندگی اور حقوق کی حفاظت ہی کے لئے بھی قتل وخونریزی کی بھی اجازت دی جائے''۔

مولانا آزاد کا کہنا ہے کہ اسی اصول وفلسفہ کے لحاظ سے جج کا حکم قتل، قتل نہیں کہا جاسکتا بلکہ وہ عام انسانوں کی زندگی کا اعلان ہے اور اسی اصول کے مطابق دنیا کی حکومتیں قصاص کے نظام پر بہرحال عمل پیرا ہوتی ہیں۔

ابھی پچھلے دنوں ہمارے ملک میں اغوا اور عصمت دری کا جو ایک سنگین واقعہ عین راجدھانی میں پیش آیا اس کے بعد ملک کی پارلیمنٹ میں متفقہ طور پر یہ آواز بلند ہوئی کہ زانیوں کو سزائے موت دی جائے۔ کیا یہ اس بات کا اعتراف نہیں ہے کہ جرائم کی روک تھام کے لئے اسلام کا نظام قصاص ایک عظیم نعمت ہے جس سے دنیا آنکھیں بند کر لی ہیں۔

مذہب اسلام کے بارے میں جو شکوک وشبہات پیدا کئے جاتے ہیں ان میں ایک اہم اور قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ اسلام جرائم کے مرتکبین کو سخت سزائیں دیتا ہے۔

مولانا آزادؒ نے اس اعتراض سے متاثر ہوئے بغیر یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام کا یہ قانون مبنی برانصاف ہے وہ لکھتے ہیں کہ:

> ''عفو ودرگزر اور صفح ومغفرت ایک انسان کا بہترین وصف ہے، لیکن اگر اس سے تجاوز کر کے وہ حکومت اور جمعیت انسانی تک پہونچ گیا تو وہ قانون کی سرحد میں آ گیا، جہاں مغفرت گناہ عظیم اور صفح وعفو جریمہ کبیرہ ہے''۔

وہ نظام قصاص کی معقولیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> ''ایسی حالت میں اگر اخلاق سے بھی فتویٰ طلب کیا جائے، تو وہ عدالت کا ساتھ دے گا کیونکہ اس بارے میں اصل الاصول یہ ہے کہ انسانی زندگی اور اس کے فطری حقوق کی حفاظت کی جائے، رحم بھی اسی لئے ہے تاکہ کسی پر سختی کر کے اس کے حیات وحقوق طبیعہ کو گزند نہ پہونچایا جائے، درگذر اور عفو بھی اسی لئے

رنگ یکساں نہیں اور یہ بھی باہمی نفرت وعناد کا ایک بڑا ذریعہ بن
گیا، تمہاری بولیاں مختلف ہیں اور یہ بھی ایک دوسرے سے جدا
رہنے کی ایک بہت بڑی حجت بن گئی، پھر ان کے علاوہ امیر وفقیر،
نوکر وآقا، وضیع وشریف، ضعیف وقوی، ادنی واعلیٰ بے شمار
اختلافات پیدا کر لئے ہیں، اور سب کا منشا یہی ہے کہ ایک
دوسرے سے جدا ہو جاؤ اور ایک دوسرے سے نفرت کرتے رہو،
ایسی حالت میں بتلاؤ وہ رشتہ کون سا رشتہ ہے وہ کہتا ہے
کہ صرف ایک ہی رشتہ باقی رہ گیا ہے اور وہ خدا پرستی کا مقدس
رشتہ ہے جب ایک پروردگار کے آگے سر نیاز جھکاؤ گے
تو یہ آسمانی رشتہ، تمہارے تمام ارضی اختلاف مٹادے گا تم سب
کے بچھڑے ہوئے دل ایک دوسرے سے جڑ جائیں گے''۔

مولانا آزادؒ کے نقطۂ نظر کے مطابق انسانیت کے رشتہ سے گریز کر کے کسی اور رشتہ کو مضبوطی سے پکڑنا اور اس کے تئیں تعصب اختیار کرنا ضلالت وگمراہی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''انسان کی یہ سب سے بڑی ضلالت اور خدا فراموشی تھی کہ اس
نے رشتۂ خلقت کی وحدت کو بھلا کر زمین کے ٹکڑوں اور خاندان
کے تفریقوں پر انسانی رشتے قائم کر لئے تھے، خدا کی زمین جو

اخوت کی تعلیم اسلام کا طرۂ امتیاز ہے:

مولانا آزادؒ نے نہایت شد و مد کے ساتھ اپنے اس موقف کو پیش کیا ہے کہ سارے انسان ایک ماں باپ کی اولاد اور آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ انہوں نے مذہب کے اختلاف کو اس بنیادی رشتے میں حارج نہیں قرار دیا ہے۔ بلکہ ان کا کہنا ہے کہ مذہب کی صحیح معرفت احترام انسانیت کا سبق سکھاتی ہے اور انسانوں کو ایک وحدت کی لڑی میں پرو دیتی ہے اور اسی کو خدا پرستی کہتے ہیں۔ مولانا آزادؒ قرآن مجید کی آیت " ان هذه امتكم امة واحدة"(مومنون:۵۱) (تمہاری فی الحقیقت ایک ہی امت ہے) کی تفسیر میں اپنے اس نقطۂ نظر کو یوں بیان کرتے ہیں:

> "وہ کہتا ہے کہ خدا نے تم کو ایک جامۂ انسانیت دیا تھا، لیکن تم نے طرح طرح کے بھیس اور نام اختیار کر لئے اور رشتۂ انسانیت کی وحدت سینکڑوں ٹکڑوں میں بکھر گئی، تمہاری نسلیں بہت سی ہیں، اس لئے تم نسل کے نام پر ایک دوسرے سے الگ ہو گئے، تمہارے وطن بہت سے بن گئے، اس لئے اختلاف وطن کے نام پر ایک دوسرے سے لڑ رہے ہو، تمہاری قومیتیں بے شمار ہیں، اس لئے ہر قوم دوسری قوم سے دست و گریباں ہو رہی ہیں، تمہارے

'' اللهم انا شهيد ان عبادك كلهم اخوة''

اے پروردگار میں گواہ ہوں کہ تیرے تمام بندے آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اسی طرح قرآن کریم نے ''امۃ واحدۃ'' کا لفظ استعمال کر کے نسل اور قبیلوں کے بتوں کو توڑا، رنگ وزبان کے امتیاز کو مٹایا، قومی تفریق کی خلیج کو پر کیا اور پوری انسانیت کو ایک صف میں کھڑا کر دیا۔

مولانا آزادؒ کے نزدیک احترام انسانیت کا موضوع نہایت اہم ہے، انہوں نے اپنی تفسیر میں اس کو خاص اہتمام کے ساتھ لکھا ہے جس سے بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوا کہ وہ مذہب کی وقعت کو کم کر کے انسانیت کا درجہ بلند کر رہے ہیں۔ چنانچہ بعض ناقدین نے اس پہلو کی طرف اشارہ بھی کیا ہے۔

مگر مذہب اسلام کی صحیح اور سچی تعلیمات پر غور کرنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اسلام کسی خاص گروہ، خاندان، علاقہ، نسل اور قوم کے لئے خاص نہیں ہے بلکہ یہ زندہ متحرک تحریک ہے جس نے پوری انسانیت کو اپنا مخاطب بنایا ہے، اس تناظر میں ابوالکلام آزاد کا موقف عین قرآن کی تعلیم کے مطابق ہے۔

آج دنیا میں جو بدامنی کا دور دورہ ہے اس کا بہت بڑا سبب انسانیت کے درمیان مختلف اقسام کی تقسیمیں ہیں۔ کیا ایسا نہیں کہ آج زمین کے محدود

محبت اور باہمی اتحاد کے لئے بنائی گئی تھی، اختلاف ونزاعات کا
گھر بنادیا تھا۔ اور امن امان کا خاتمہ ہوگیا تھا۔ لیکن اسلام دنیا
میں پہلی آواز ہے جس نے ایک عالمگیر اخوت واتحاد کی دعوت
دی اور کہا ہے:

"یا ایها الناس ان خلقناکم من ذکر وانثیٰ
وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند
الله اتقاکم" (حجرات:۱۳)

اے لوگو! ہم نے دنیا میں تمہاری خلقت کا وسیلہ مرد اور عورت کا
اتحاد رکھا اور تم کو نسلوں اور قبیلوں میں تقسیم کردیا۔ اس لئے کہ
باہم پہچانے جاؤ اور دراصل یہ تفریق وانشعاب کوئی ذریعہ امتیاز
نہیں اور یہ امتیاز وشرف اسی کے لئے ہے جو اللہ کے نزدیک
سب سے زیادہ متقی ہے"۔

مولانا آزاد کا کہنا ہے کہ یہی تعلیم سارے انبیاء کرام کی تھی۔ جس کی
دعوت اسلام نے دی ہے۔ چنانچہ اسلام نے وطن، مقام، رنگ، نسل اور زبان
کے فرق کو رب العالمین کی آیات ونشانیاں قرار دیا ہے اور پورے بنی نوع انسانی
کو ایک خاندان کا درجہ دیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

بازار گرم ہے، ہمارے ملک میں مذہب کے نام پر جو فرقہ وارانہ تشدد کے واقعات رونما ہوئے ان سے ہر ہندوستانی کا سر شرم سے جھک گیا ہے۔ اس پس منظر میں مولانا آزادؒ نے مذہب اسلام کی جو تشریح کی ہے وہ نہایت معتدل اور مبنی بر انصاف ہے۔

ان کے نزدیک کا مطلب ہی ہے لوگوں کو آپس میں ملانا، جوڑنا، نہ کہ انسانیت کے جامے کو تار تار کرنا اور لوگوں کو آپس میں لڑانا۔ ان کے بقول مذہب تو اخوت و محبت اور دوستی کا معلم ہے۔

مولانا کے اس نقطۂ نظر کی ترجمانی خلیق انجم نے یوں کی ہے:

''مولانا کے نزدیک مذہب ملانے والی چیز تھی، لڑانے والی نہیں، جوڑنے والی شئی تھی، توڑنے والی شئی نہیں، مذہب انسانوں کو انسانیت سے بہرہ ور کرنے اور بندوں کو خدا سے ملانے کا نام ہے''۔

آج صورتحال یہ ہے کہ دنیا میں مذہب کے نام پر اس درجہ حد بندی کرلی ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ میل جول بھی ترک کر دیا گیا ہے۔ چھوا چھات، ادنیٰ واعلیٰ کے تصور نے انسانوں کو مختلف خانوں پر بانٹ رکھا ہے۔ چنانچہ مولانا نے

ٹکڑوں کے لئے ایک ملک دوسرے ملک پر چڑھائی کرتا ہے اور برسہا برس انسانیت کا خون ہوتا ہے، آج زبان، رنگ اور نسل کی بنیاد پر دنیا کے مختلف حصوں میں کشت وخون کا ایک لامتناہی سلسلہ جاری ہے اور فرقہ واریت وعلاقائیت کے جنون نے انسان کو انسان کا دشمن بنا کر دکھا ہے اور نوبت یہاں تک پہونچ گئی ہے کہ آج کا انسان اپنے ہم جنسوں سے جس درجہ خائف ہے اس قدر خوف اس کو درندوں اور جانوروں سے نہیں ہے، کیا یہ انسانیت کا المیہ نہیں ہے؟ اس کے تدارک کے لئے مولانا ابوالکلام آزاد کی یہ تعلیم یعنی احترام انسانیت کی مقدس تعلیم جو دراصل اسلام کی تعلیم ہے۔ موجودہ وقت کی بڑی اہم ضرورت ہے۔

اسلام میں مذہبی رواداری:

دنیا میں اس وقت قیام امن کی راہ میں دوسری بڑی رکاوٹ اپنے موقف ومذہب کا تعصب اور دوسروں کے تئیں عدم رواداری ہے اس وقت ہر فرقہ اور ہر جماعت قرآن کی آیت ''کل حزب بما لدیهم فرحون'' (روم:۳۱) (ہر جماعت اس چیز پر جو اس کے پاس ہے خوش اور نازاں ہے) کے مطابق اپنی دنیا میں مگن ہے۔ تلاش حق اور اعتراف حق کے بجائے اپنے مذہب جو بجبر صحیح ثابت کرنے کی کوشش عام ہے اور اسی کے نتیجہ میں تشدد کا ایک

اعتراض نہیں اور نہ کوئی مسلمان تعارض کرے گا۔ چنانچہ وہ خوش ہو گئے اور پورب کی طرف منہ کرکے اپنے طریقہ پر نماز ادا کی''۔

دوسرا واقعہ بنو ثقیف قبیلۂ طائف کا ہے۔ یہ وہی قبیلہ ہے جس نے مکہ کی زندگی میں حضور اکرم ﷺ کو لہولہان کر دیا تھا مگر جب اس قبیلہ کے لوگ مدینہ آئے اور مسلمانوں نے چاہا کہ انہیں اپنے اپنے گھروں میں ٹھہرائیں تو شفقت ومحبت کے پیکر محمد ﷺ نے فرمایا کہ ''انہیں سرکاری مہمان کی حیثیت سے مسجد میں ٹھہرایا جائے''۔

مولانا آزادؒ کے نقطۂ نظر کے مطابق خدائی پیغمبروں کا کام ہمیشہ یہ رہا کہ انہوں نے دین حق کو بندگان تک پہونچا دیا اور ان کو نصیحت کر دی، باقی اس کو ماننا نہ ماننا بندوں کا کام ہے، چنانچہ سارے انبیاء نے اسی طرز پر انسانوں کو دعوت دی، وہ انسانوں پر داروغہ مقرر کر کے نہیں بھیجے گئے تھے بلکہ ان کی حیثیت انسانوں کے لئے ابر کرم جیسی تھی جس کی لطیف گھٹاؤں سے فائدہ اٹھانے والوں نے فائدہ اٹھایا اور جس کی قسمت میں محرومی تھی وہ اس سے محروم رہا۔

اس وقت مولانا ابوالکلام آزادؒ کی یہ تعلیم آب زر سے لکھے جانے کے لائق ہے جب کہ دنیا مذہبی تشدد کے دور سے گزر رہی ہے اور آئے دن فرقہ

بادلائل یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام کی تعلیمات میں مذہب کے کسی قسم کی تفریق کو روا نہیں رکھا گیا ہے۔

ان کا کہنا ہے کہ اسلام کی تعلیمات ہمارے سامنے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرن اول میں غیر مسلموں کے ساتھ میل جول ، اکل وشرب کی کوئی ممانعت نہ تھی ، اسلام کی اس سے بڑی رواداری کیا ہوگی کہ اس نے یہ عام قاعدہ قرار دیا کہ ہر انسان کا جھوٹا پاک ہے یعنی کسی بھی انسان کے ساتھ بیٹھ کر کھایا پیا جاسکتا ہے اور اس کے چھوڑے ہوئے کھانے کو کھالینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ مولانا آزاد نے اسلام کی مذہبی رواداری کے دو موثر واقعات نقل کئے ہیں ، لکھتے ہیں۔

''ایک مرتبہ عیسائیوں کا ایک ڈیپوٹیشن آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے ان کو مسجد نبوی میں ٹھہرایا بخاری کی روایت ہے کہ '' جب اتوار کا دن آیا تو ان لوگوں کو نماز کے لئے تشویش ہوئی۔ جب واقعے کا علم اس وجود اقدس کو ہوا جو کسی کے فکر وغم کو برداشت نہیں کرسکتا تھا تو اس نے عیسائیوں کو تسلی دی اور فرمایا کہ تم کچھ تردد اور ملال نہ کرو ، یہ مسجد عبادت ہی کے لئے ہے تم شوق سے اپنے طریقہ پر نماز ادا کرو ، مجھے قطعاً کوئی

جس کو اسلام نے کسی بھی درجہ میں پسند نہیں کیا ہے۔

مولانا آزاد اس قسم کے شخصی اقتدار کو نہ صرف یہ کہ حریت و جمہوریت کے خلاف بتایا ہے بلکہ اس کو اسلام کے مغائر قرار دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''اسلام کسی ایسے اقتدار کو جائز تسلیم نہیں کرتا جو شخصی ہو یا چند تنخواہ دار حاکموں کی بیوروکریسی ہو وہ آزادی اور جمہوریت کا مکمل نظام ہے جو نوع انسانی کو اس کی چھینی ہوئی آزادی واپس دلانے کے لئے آیا تھا۔ یہ آزادی بادشاہوں، اجنبی حکومتوں، خودغرض مذہبی پیشواؤں اور سوسائٹی کے طاقتور جماعتوں نے غصب کر رکھی تھی وہ سمجھتے تھے کہ حق طاقت اور قبضہ ہے، لیکن اسلام نے ظاہر ہوتے ہی اعلان کیا کہ حق، طاقت نہیں ہے، بلکہ خود حق ہے۔ خدا کے سوا کسی انسان کو سزاوار نہیں کی بندگان خدا ان کو اپنا محکوم اور غلام بنائے اس نے امتیاز اور بالا دستی کے تمام قومی اور نسلی مراتب کو یک قلم مٹا دئے اور دنیا کو بتلا دیا کہ سب انسان درجہ میں برابر ہیں اور سب کے حقوق مساوی ہیں۔ نسل، قومیت، رنگ معیار فضیلت نہیں ہے بلکہ صرف عمل ہے اور سب سے بڑا وہی ہے جس کے سب کام اچھے ہوں''۔

واریت کے جنون میں قتل وخونریزی کا بازار گرم رہتا ہے۔

مولانا آزاد کے نظریے کے مطابق اسلام ''جیو اور جینے دو'' کا قائل ہے اور وہ قطعاً اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ دوسرے مذاہب کا خاتمہ کر کے صرف مذہب اسلام کی حکمرانی قائم ہو بلکہ وہ چاہتا ہے کہ ایسا خوشگوار ماحول بنایا جائے کہ ہر شخص کو اپنے مذہب کے مطابق عمل کرنے کی آزادی حاصل ہو۔

شخصی آزادی اور اسلام:

قیام امن کی راہ میں تیسری بڑی رکاوٹ شخصی جبر واستبداد ہے چنانچہ تاریخ عالم نے یہ منظر دیکھا کہ غلامی کا جوا کندھے سے اتار پھینکنے کے لئے قوموں نے ہر طرح کی قربانی دی۔ بالخصوص پچھلی چند صدیوں میں اس کے نمایاں اثرات دکھائی دیتے ہیں۔ مذہب اسلام میں شخصی اقتدار کی کوئی گنجائش نہیں ہے یعنی اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ افراد کی کوئی اہمیت نہیں ہے بلکہ اس مذہب نے بلند اخلاقی قدروں کو اصل واساس قرار دیا ہے اور حکمرانوں کو بھی اس کی پابندی کی تلقین کی ہے اوراسی پابندی کی صورت میں عام لوگوں کو ان کی اطاعت وفرمانبرداری پر مجبور کیا ہے۔ اس کے برخلاف کسی شخص کی ایسی حکومت جہاں حکمراں کی زبان سے نکلا ہوا بول (قول) حکم کا درجہ رکھتا ہو شخصی اقتدار کہلاتا ہے

نہ ایک روز اس ظالمانہ نظام کا خاتمہ ہو جاتا ہے جیسا کہ فرعونی حکومت کا حشر ہوا۔ اور اس کا حقیقی سبب سلب حریت وآزادی جیسا گھناؤنا جرم تھا اور اسی کے نتیجہ میں بالآخر: ''اس کی تباہی و بربادی ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اس کو نیست و نابود کر دیا۔ ارشاد باری ہے:

''الـئـن وقـد عـصـيـت قبـل وكـنـت من المفسدين''

(يونس:۹۱)

اے فرعون تو خدا کے آگے جھکنا چاہتا ہے حالانکہ پہلے سرکشی کر چکا ہے۔ اسی طرح قارون وہامان نے بھی فساد فی الارض کی سعی کی تھی تو ان کو بھی عذاب الٰہی نے تباہ و برباد کر دیا تھا غرض کہ جس قوم نے بھی بنی نوع انسان کی آزادی سلب کی، ان کو غلام محکوم بنایا اور فساد فی الارض کی کوشش کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو تباہ و برباد کر کے عباد الصالحین کو اپنا خلیفہ و جانشین بنایا اور زمین کو فتنہ وفساد سے پاک کر کے امن وآشتی قائم کی''۔

مولانا آزاد نے لکھا ہے کہ اسلام کا مطلوبہ نظام حکمرانی حریت وآزادی پر مشتمل ہے جس کی مکمل تصویر عہد رسول ﷺ اور خلفاء راشدین میں نظر آتی ہے جہاں ہر شخص کو مکمل آزادی حاصل تھی۔ وہ رقم طراز ہیں کہ:

مولانا آزادؒ نے نہایت واضح لفظوں میں کہا ہے کہ شخصی اقتدار بالذات ظلم ہے وہ خیر سے دور اور شر کی آماج گاہ ہوتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ آزاد رہنا ہر فرد اور قوم کا پیدائشی حق ہے اور محکومی وغلامی قانون الٰہی کے خلاف ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

> ''میرا اعتقاد ہے کہ آزاد رہنا ہر فرد اور قوم کا پیدائشی حق ہے۔ کوئی انسان یا انسانوں کی گڑھی ہوئی بیوروکریسی یہ حق نہیں رکھتی کہ خدا کے بندوں کا اپنا محکوم بنائے۔ محکومی اور غلامی کے کیسے ہی خوشنما نام کیوں نہ رکھ لئے جائیں لیکن وہ غلامی ہی ہے اور خدا کی مرضی اور اس کے قانون کے خلاف ہے''۔

مولانا آزادؒ کا کہنا ہے کہ شخصی تسلط یا بیورکریسی فرعونیت کا نام ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

> ''فرعون نے خدا کی سرزمین میں کبر وغرور اور استکبار کیا ایک قوم کی آزادی چھین لی تھی، اللہ کے بندوں کو غلام اور محکوم بنا رکھا تھا''۔

مولانا کا کہنا ہے کہ شخصی تسلط کو کبھی دوام حاصل نہیں ہوتا اور آخر کار ایک

میں امن قائم کرنا ہے۔اور جو جہاد اس شرط کو پورا کرے گا وہی مشروع اور مقبول ہوگا۔وہ لکھتے ہیں

'' اسلامی تعلیمات میں نرمی وآشتی کا حکم دیا گیا ہے لیکن جب امن وامان کے ختم ہو جانے کا خطرہ لاحق ہوتو اسلام نے حرب وقتال کے مقابل ایک اور قسم کی جنگ کا حکم دیا ہے۔جو دیکھنے میں بظاہر لڑائی اور جنگ ہی ہے مگر حقیقت کے لحاظ سے وہ دعوت امن وسلام اور پیغام امن وآشتی ہے جس کے اسباب وعلل بھی حرب وقتال سے مختلف ہیں اور مقاصد وعواقب بھی علیحدہ ہیں۔ حرب کا مقصد اگر خونریزی اور بندگان خدا کو غلام بنانا ہے تو اس کا مقصد وحید دنیا سے خونریزی کا خاتمہ کرکے نوع انسانی کو غلامی سے نجات دلانا ہے۔اگر حرب کی غرض وغایت لوٹ مار اور غارت گری ہے تو اس کا مطلب دنیا سے لوٹ مار اور غارتگری کا خاتمہ ہے۔ '' وقاتلوا هم حتى لا تكون فتنة'' (انفال ۳۹) یہاں تک لڑائی جاری رکھو کہ دنیا سے فتنہ وفساد کا خاتمہ ہو جائے۔اگر لڑائی اور جنگ کی علت نفسانی حرص وآزاد اور ہوا وہوس ہے تو اس کا محرک تقویٰ وطہارت اور جذبۂ قیام عدل وانصاف ہے۔ '' وكذلك جعلناكم امة وسطاً''

''سرور کائنات سید المرسلین سے بڑھ کر مسلمانوں کا کون آقا ہوسکتا ہے؟ لیکن جب خود اس نے جب عقبٰی میں انصار سے بیعت لی تو فرمایا کہ ''میری اطاعت اس وقت تک واجب ہے جب تک میں تم کو نیکی کا حکم دوں'' جب اس شہنشاہ کونین کی اطاعت مسلمانوں پر نیکی ومعروف کے ساتھ مشروط ہے تو پھر دنیا میں کون سا بادشاہ، کون سی حکومت، کون سا پیشوا، کون سا رہنما اور کون سی قومیں ایسی ہوسکتی ہیں جن کی اطاعت ظلم کے بعد بھی ہمارے لئے باقی رہے''۔

جہاد کا تصور مولانا آزادؒ کی نظر میں:

جہاد ایک اسلامی اصطلاح ہے اور موجودہ دور میں یہ عالمی سطح پر موضوع بحث بنی ہوئی ہے۔ چنانچہ ایک طرف اس کو ''اسلامی آتنک واد'' سے تعبیر کیا جاتا ہے تو دوسرے طرف مصلحت کوشی کے باعث اس کو ''مجاہدہ'' کا مترادف قرار دے کر اسلام کی صلح پسندی کا ثبوت فراہم کیا جارہا ہے۔ حالانکہ یہ دونوں افراد وتفریط کی حد میں ہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے نہایت واشگاف لفظوں میں جہاد کی مشروعیت اور اس کی ضرورت پر بحث کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ جہاد ایک مقدس عمل ہے جس کے ذریعہ بندگان خدا کو غلامی ومحکومی سے نجات دلانا اور دنیا

بلکہ ہر اس تحریک کو جہاد کا نام دیا ہے جو عدل و انصاف کے قیام کے لئے برپا کی گئی ہو۔ انہوں نے مشہور حدیث '' افضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر '' سے استدلال کرتے ہوئے یہ لطیف نقطہ تحریر کیا ہے کہ:

> '' اسلام کا مقصد اصلی دنیا میں قیام حق و صداقت اور دفع باطل وضلالت ہے یعنی '' امر بالمعروف ونہی عن المنکر '' خواہ وہ کسی صورت اور کسی شکل میں ہو۔

> پس اس بنیاد پر ہر طرح کی انسانی گمراہیوں کو دور کرنے کے لئے سعی کرنا ور باطل وظلم کے مقابل میں حق وعدل کا حامی وناصر ہونا عین مقصد اسلام وعلت ظہور رسالت وسبب نزول شریعت ہے اور اسی نصرت حق ودفع باطل کی سعی وکوشش کا نام اصطلاح قرآن میں '' جہاد فی سبیل اللہ '' ہے ''۔

مولانا ابوالکلام آزادؒ نے جہاد کے بارے میں کسی فکری مرعوبیت کے بغیر یہ صاف لکھ دیا کہ عالمگیر صلح وامن کے لئے موثر وسیلہ جہاد ہے اور یہی اس کی اصل غرض وغایت ہے۔ اور مذہب اسلام اسی کی دعوت دیتا ہے اس کا مقصد ہرگز یہ نہیں ہے کہ قوموں کو محکوم بنائے۔ بلکہ وہ بندگان خدا کو انسانوں کی بندگی سے

(بقرہ ۱۴۳:۳۰)اور ہم نے تم کو اسی طرح امت معتدلہ بنایا۔ اگر قتل وحرب کا نتیجہ دنیا میں بدامنی وفساد ہے تو اس کی غایت امن واطمینان ہے''۔

مولانا آزاد نے اس بات کی وضاحت بھی کر دی ہے کہ جہاد محض تیر وتفنگ کے استعمال کا نام نہیں ہے بلکہ '' جہاد کے معنی کمال درجے کے کوشش کرنے کے ہیں۔ قرآن وسنت کی اصطلاح میں اس کمال درجہ کی سعی کو جو ذاتی اغراض کی جگہ حق پرستی اور سچائی کی راہ میں کی جائے'' جہاد'' کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ یہ سعی زبان سے بھی ہے، مال سے بھی ہے، انفاق وقت وعمر سے بھی ہے محنت وتکالیف برداشت کرنے سے بھی ہے اور دشمنوں کے مقابلہ میں لڑنے اور اپنا خون بہانے سے بھی ہے۔ جس سعی کی ضرورت ہو اور جو سعی جس کے امکان میں ہو اس پر فرض ہے۔ اور'' جہاد فی سبیل اللہ'' میں لغت وشرح دونوں اعتبار سے داخل۔ یہ بات نہیں ہے کہ'' جہاد سے مقصود لڑائی ہی ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو جہاد کا اطلاق اعمال قلبی ولسانی پر نہ ہوتا حالانکہ کتاب وسنت ایسے اطلاقات سے لبریز ہیں''۔

مولانا آزاد نے صفت جہاد کو کسی قوم یا علاقہ کے ساتھ مختص نہیں کیا ہے

کرنے کے لئے تلوار سے مدد لینے کی اجازت دی ہے۔اور یہ حکم اس وقت تک کے لئے ہے جب تک فتنہ وفساد سے ارض الٰہی پاک نہ ہو جائے''۔

مولانا موصوف کہتے ہیں کہ:

''قرآن نے دفع فساد کے لئے علاج بالمثل کی اصطلاح بھی رائج کی ہے۔

''ولو لا دفع الله الناس بعضهم ببعضهم لهدمت صوامع وبيع وصلوات ومساجد يذكر فيها اسم الله كثيرا'' (حج: ٤٠)

اگر خدا لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ نہ ہٹواتا رہتا تو تمام صومعے، گرجے، عبادت گاہیں اور مساجد جن میں کثرت سے اللہ کا نام لیا جاتا ہے کبھی کی منہدم ہوگئی ہوتیں''۔

مولانا ایک دوسری آیت سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

''لقد ارسلنا بالبينات وانزلنا معهم الكتاب

نکال کر خدا کی بندگی کے لئے تیار کرنے کے لئے آیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''اسلام کا اصلی مقصد یہ ہے کہ دنیا میں عالمگیر صلح وامن قائم ہوجائے ساری دنیا ایک قوم اور تمام نوع انسانی ایک گھرانے کی طرح زندگی بسر کریں۔ لیکن جب تک جنگ لڑنے والی ظالم وحریص قوتیں باقی ہیں یہ مقصد حاصل نہیں ہوسکتا۔ بس پہلے مفسد وجابر قوتوں کا مقابلہ کرنا اور ان کو فنا کرنا ضروری ہوا۔ مضبوط ومستقل امن اسی وقت قائم ہوگا جب پہلے امن کی خاطر اچھی طرح جنگ کرلی جائے '' حتی اذا اثخنتموھم'' (محمد ۴۰) یہاں تک کہ جنگ آزما دشمن چور چور ہوجائیں''۔

مولانا ابوالکلام آزاد کا کہنا ہے کہ امن وآشتی کے قیام کے لئے جو کوشش کی جائے وہ اسلامی نقطۂ نظر سے پسندیدہ ہے اور اس کا سلسلہ قیامت تک برقرار رہے گا اور اس کو'' امر بالمعروف ونہی عن المنکر'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مولانا اس کی معنویت پر تبصرہ کرتے ہیں:

''ذرا غور وفکر کرو کہ دنیاوی قانون کہاں سے ماخوذ ہے جس طرح آج قانون قتل کی برائی روکنے کے لئے قتل کا ارتکاب کرتا ہے اسی طرح اسلام نے فتنہ وفساد سے ارض الٰہی کو پاک وصاف

علیکم واتقوا الله" (بقرہ :۱۶۹)

جوشخص تم پر ظلم کرے تم بھی اس پر اسی قدر ظلم کرو جس قدر اس نے تم پر کیا۔ اس سے آگے بڑھنے میں خدا سے ڈرو اور یقین کرو کہ خدا پرہیز گاروں کے ساتھ ہے''۔

مزید لکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ہر انسان کا دینی فریضہ قرار دیا ہے کہ ''تم میں سے جو مسلمان کوئی خلاف حق بات دیکھے تو اسے چاہیے کہ اس کا انسداد کرے اگر اس کی طاقت نہ پائے تو زبان سے اس کو ظاہر کردے اور اگر اس کی بھی قدرت نہ رکھے تو خیر دل میں برا سمجھے مگر یہ آخری صورت ایمان کا نہایت ضعیف درجہ ہے''۔(الحدیث)

مولانا آزاد نے جہاد کے اس مفہوم میں معرکۂ خیر وشر کو اصل واساس قرار دیا ہے۔ جس میں کسی بھی قسم کے مذہبی، علاقائی یا لسانی تعصب کی گنجائش نہیں ہے۔ چنانچہ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''غور کرو اس سے زیادہ صاف، بے لاگ اور امن وسلامتی کی کوئی اور راہ ہوسکتی ہے اگر دنیا نے دعوت حق کی یہ روح سمجھ لی ہوتی تو کیا ممکن تھا کہ کوئی انسان دوسرے انسان سے محض

والمیزان لیقوم الناس بالقسط وانزلنا الحدید فیه
باس شدید ومنافع للناس'' (حدید:۲۵)

''ہم نے اپنے رسولوں کو کھلی ہوئی نشانیوں کے ساتھ مبعوث کیا
اور ان کے ساتھ میزان اور ترازو بھیجا تاکہ عدل پر قائم ہوں۔
نیز لوہا پیدا کیا جو (ہتھیاروں کی شکل میں) سخت وخطرناک بھی
ہیں۔ اور ساتھ ہی ساتھ بہت سی منفعتیں بھی انسانوں کے لئے
اپنے اندر رکھتا ہے۔

مولانا آزاد کہتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے پوری تشریح کے ساتھ نظام عالم کے قوانین اساسی کو کھول کر بیان کر دیا ہے۔ خدا ہدایت واصلاح اور قیام امن وآشتی کے لئے نبیوں کو مبعوث کرتا ہے اور ان کو میزان دیتا ہے (یعنی قیام کی نافذانہ قوت) تاکہ اللہ تعالیٰ کے عدل وامن کو قائم کر سکیں اور اس کے قیام کے لئے جنگ وقتال کی بھی اجازت دی ہے''۔

ساتھ ہی ساتھ امن وآشتی کے لئے ضروری یہ بھی ہے کہ ظالم کو اس کے ظلم سے روک دیا جائے چنانچہ اس آیت کریمہ کو بطور دلیل پیش کرتے ہوئے مولانا کہتے ہیں:

فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیه بمثل ما اعتدی

حقیقت کی وحدت اور اسماء و مصطلحات کی کثرت ہے لیکن سچائی
ہر گوشۂ عمل میں حقیقت اور مسمیٰ کے اعتبار سے ایک ہی ہے لیکن
بھیس مختلف ہو گئے ہیں اگر حقیقت بے نقاب ہو کر
سامنے آجائے تو تمام نزاعات خود بخود حل ہو جائیں گے۔''

اختلاف و اعتقاد عمل کی بنیاد پر لڑتا لیکن مصیبت یہ ہے کہ انسان
کے ظلم و سرکشی نے کبھی اس حقیقت کا اعتراف نہیں کیا اور یہی
بات سارے نزاعوں کی بنیاد بن گئی۔ قرآن نے پچھلی دعوتوں کی
جس قدر سرگزشتیں بیان کی ہیں انہیں جا بجا پڑھو ہر جگہ دیکھو گے
کہ بناءِ نزاع یہی تھی۔ خدا کے رسولوں کا ہمیشہ اعلان یہی ہوا کہ
ہم نصیحت کرتے ہیں، ماننا نہ ماننا تمہارا کام ہے۔ اگر نہیں مانتے
تو تم اپنی راہ پر چلو اور دیکھو نتیجہ کیا نکلتا ہے لیکن ان کے منکر کہتے
ہیں نہ تو ہم تمہاری بات مانیں گے نہ تمہیں راہ پر چلنے دیں گے''۔

اس مضمون میں امن و امان کے قیام اور اس کے پائیدار صورت اختیار کئے جانے کے بارے میں مولانا ابوالکلام آزاد کا نقطۂ نظر نہایت وضاحت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ وہ انسانیت کے احترام کے داعی و علم بردار ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ فساد کے خاتمہ کے لئے جو کوشش کی جائے وہ مذہبی جنگ نہیں ہے بلکہ اس لئے ہے تاکہ دنیا کے لوگ امن و امان کے ساتھ زندگی بسر کرسکیں۔ مذاہب کا اختلاف اور تعدد ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتا بلکہ وہ سب کو ایک اصل کے متعدد روپ سمجھتے تھے۔ انہوں نے اپنے ایک خطاب میں برجستہ یہ فرمایا کہ:

''دنیا کے تمام نزاعات و اختلافات کی ایک سب سے بڑی علت

مولانا آزاد نے اسلام کی مختلف تعلیمات اور تصورات کی تشریح و ترجمانی کے سلسلے میں نہایت عالمانہ اور محققانہ مضامین و مقالات لکھے اور اپنے خطبات و تقاریر میں بھی قرآن و اسلام کے مختلف موضوعات کی تفسیر و تشریح کی۔ اسلام کے پیغام امن و آشتی کی تشریح و تعبیر کے سلسلے میں بھی انھوں نے اپنے مضامین و مقالات میں اپنے نظریہ کا اظہار کیا اور برادران وطن کے سامنے امن و آشتی کے متعلق اسلامی احکامات و تعلیمات کی طمانیت بخش وضاحت کی۔ اس موضوع پر مولانا آزاد کے افکار و خیالات کے تجزیہ سے قبل مولانا آزاد کی سوانح و شخصیت پر ایک طائرانہ نظر بہ طور ''نظرے خوش گذرے'' ڈالی جاتی ہے۔

نام : احمد- تاریخی نام . فیروز بخت محی الدین- کنیت . ابو الکلام- لقب: آزاد

> مولانا آزاد نے اپنا سال ولادت ۱۸۸۸ء مطابق ذو الحجہ ۱۳۰۵ھ بتایا ہے۔ اور یہ بھی بتایا کہ والد نے مولانا کا تاریخی نام فیروز بخت رکھا تھا، مولانا ۹/ اگست اور ۶/ ستمبر ۱۸۸۸ء کے درمیان کسی دن پیدا ہوئے۔(۱) عبدالرشید ارشد نے مولانا کی تاریخ ولادت ۱۷ اگست ۱۸۸۸ء لکھی ہے۔(۲)

مولانا آزاد کی نظروں میں
اسلام کا پیغام امن وآشتی

- نشاط احمد

ذکر ''مولانا کا'' ہے کس عزت وتوقیر سے
حامیان امن وصلح وآشتی کے درمیان

مولانا ابوالکلام آزاد کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ ان کی شخصیت گوناگوں خصوصیات کی حامل تھی۔ ان میں علم وعمل کی متعدد نادرۂ روزگار صفات غیر معمولی طور پر جمع ہوگئی تھیں۔ وہ بیک وقت عالم دین، مفسر، محدث، مورخ، مفکر، مصنف، صحافی، سیاسی رہنما، منتظم غرض بہت کچھ تھے۔ انھوں نے اپنے افکار کا جو مجموعہ چھوڑا ہے وہ رہتی دنیا تک انسانی قافلوں کے لئے مشعل راہ ثابت ہوگا۔

۲۲ فروری ۱۹۵۸ء کو ہندوستان اور عالم اسلام کی یہ روشن شمع گل ہوگئی۔

مولانا کی شخصیت بڑی ہمہ گیر اور پہلو دار تھی۔ انھوں نے ادب، صحافت، خطابت، سیاست، اور کتنے ہی دوسرے شعبوں پر اپنے غیر فانی نقوش چھوڑے ہیں۔ مولانا ہندوستان کے مسلمانوں کے سچے بہی خواہ تھے۔ اور انھوں نے تاحیات ان کی سچی خدمت کی لیکن المیہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے ان کی قدر نہ کی۔ مولانا کا ایک بڑا کارنامہ اردو زبان کی اشاعت ہے۔ انھوں نے اپنی تقریروں کے ذریعے سارے ہندوستان میں اس کو پھیلایا اور اپنی تحریوں سے اس کو وقار کو بڑھایا۔ اسلامیان ہند کے رجال اعاظم میں مولانا شخصیت کوہ گراں پیکر کی حیثیت رکھتی ہے۔ مولانا کی شخصیت کے بارے خلیق انجم رقم طراز ہیں:

> ''مولانا کی شخصیت متنوع تھی۔ وہ اگر مجاہد آزادی تھے، تو عالم دین بھی تھے۔ انھیں قرآن، فقہ، علم الکلام، علم حدیث پر غیر معمولی قدرت حاصل تھی۔ وہ فلسفی تھے، مفکر تھے، مدبر تھے، تاریخ پر ان کی گہری نظر تھی غرض مولانا اپنی افتادطبع، علم، ذہانت، فطانت، اہلیت وصلاحیت، معاملہ فہمی اور دوراندیشی کے لحاظ سے غیر معمولی انسان تھے، ایسے انسان جو صدیوں میں پیدا

آپ کا خاندان مشہور علماء اور مشائخ کا خاندان تھا۔ مولانا آزاد نے عربی، فارسی اور اردو کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی۔ پندرہ برس کی عمر میں حافظ قرآن ہوئے۔ جامع ازہر (مصر) کا دور کیا اور اپنے زمانے کے مشہور علماء وفضلاء سے اکتساب فیض کیا۔ آپ نے ۱۹۰۳ء میں کلکتہ سے ''لسان الصدق'' کے نام سے ایک اخبار جاری کیا۔ جو چار ماہ بعد بند ہوگیا۔ اس سے پہلے مولانا کے کئی مضامین ''مخزن''، ''احسن الاخبار'' اور ''جنگ نظر'' وغیرہ جیسے معیاری رسالوں میں شائع ہو چکے تھے۔ سترہ برس کی عمر میں وہ مشہور اخبار ''وکیل'' کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ ۱۹۱۲ء میں کلکتہ سے ہفتہ وار اخبار ''الہلال'' کا اجراء کیا جس کی آتشیں تحریوں نے سارے ملک میں حریت فکر کا غلغلہ بلند کیا۔ ''الہلال'' کے بند ہونے پر ''البلاغ'' کی اشاعت شروع کردی۔ دسمبر ۱۹۲۱ء میں کلکتہ میں مولانا کو تحریک خلافت میں حصہ لینے پر گرفتار کرکے ایک سال قید کی سزا دی گئی۔ مولانا کی ذات اور شخصیت کا تذکرہ اب ہماری قومی اور علمی زندگی کا بیش قیمت سرمایہ ہے۔ ان کی شخصیت اس مینارۂ نور کے مانند ہے جس کی روشنی میں ہماری آئندہ نسلیں اپنے مستقبل کی سمتیں متعین کرسکتی ہیں۔

کوئی نالاں کوئی گریاں، کوئی بسمل ہوگا
اس کے اٹھتے ہی دگر گوں رنگ محفل ہوگا

(آزاد)

مولانا نے بہت سی کتابیں لکھیں ہیں اور ان سب میں مولانا کی انفرادیت نظر آتی ہے۔لیکن مولانا کی بلند قامت شخصیت ایسی تھی کہ گاہک خود بہ خود ان کی دکان کی طرف کھنچا چلا جاتا تھا۔

مولانا کے نام سے جو کتابیں شائع ہوئی ہیں ان ہی کو مستقل تصانیف کے زمرے میں شامل کیا گیا ہیں۔ جیسے تذکرہ، آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی، تحریک آزادی، غبار خاطر، کاروان خیال، نقش آزاد، تبرکات آزاد، نگارشات آزاد، فلسفہ، ترجمان القرآن، خطبات آزاد، قول فیصل، مسئلہ خلافت اور جزیرۃ العرب، البیرونی اور جغرافیہ عالم وغیرہ۔

ڈاکٹر اعجاز علی ارشد نے اپنے مضمون مولانا آزاد بحیثیت مفکر مشمولہ مولانا ابوالکلام آزاد شخصیت اور کارنامے مرتبہ خلیق انجم میں مولانا آزاد کی فکر کے پانچ اساسی نکات بیان کئے ہیں ان کے بقول یہ پانچ نکاتی اعلان نامہ صرف انسان کی مذہبی وروحانی سفر کے لئے مفید ہے بلکہ تمام معاشرتی، تمدنی اور دوسرے احوال پر حاوی ہے اور زندگی بسر کرنے کا گر سکھاتا ہے۔اس کے نکات درج ذیل ہیں۔

ہوتے ہیں۔''(۳)

صباح الدین عبدالرحمٰن مولانا آزاد کی شخصیت پر اظہار خیال کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''وہ کیا نہ تھے۔عدیم المثال عالم، یگانہ روزگار ماہر قرآنیات، سحر پرداز، انشا پرداز، لاثانی صحافت نگار، بہت ہی بلند پایہ مدبر اور مخلص سیاست داں، مگر بنیادی طور سے وہ عالم بے بدل تھے''۔(۴)

مولانا ابوالکلام آزاد غیر معمولی ذہن ودماغ کے انسان تھے۔ وہ اپنے علم وفضل، اخلاق وسیرت اور وضع وتہذیب کی بنا پر مسلم ہندوستان کی ایک ممتاز شخصیت تھے، انھوں نے اپنے ذوق ونظر کے مطابق علم وعمل کے مختلف میدانوں میں متعدد علوم وفنون میں گراں مایہ کارنامے اور ملک وملت کے بیش از بیش خدمات انجام دی تھیں۔ ان کے علم ونظر کے کمالات، اخلاق وسیرت کے خصائص اور خدمات کی جلالت قدر نے انہیں دنیا کے عظیم انسانوں کی صف میں لا کھڑا کردیا۔

وحدیث سے اخذ کرتے ہیں۔ آپ کے فکر وخیال کی خشتِ اول بھی قرآن مجید ہے، چنانچہ وہ اپنے مقالہ بعنوان ''ربوبیت'' کے زیرعنوان مختلف ذیلی سرخیوں کے تحت بحث کرتے ہوئے ایک ذیلی سرخی ''دعوت تعقل'' کے تحت فکر وخیال کے بارے میں رقم طراز ہیں:

> ''قرآن کے طریق استدلال کا مبدءِ تعقل وتفکر کی دعوت ہیں یعنی وہ جابجا اس بات پر زور دیتا ہے کہ انسان کے لئے حقیقت شناسی کی راہ یہی ہے کہ خدا کی دی ہوئی عقل وبصیرت سے کام لے اور اپنے وجود کے اندر اور اپنے وجود کے باہر جو کچھ بھی محسوس کرسکتا ہے اس میں تدبر وتفکر کریں چنانچہ قرآن کی کوئی سورت اور سورت کا کوئی حصہ نہیں جو تفکر وتعقل کی دعوت سے خالی ہو۔
>
> اور یقین رکھنے والوں کے کئے زمیں بھی (معرفت حق کی) نشانیاں ہیں اور خود تمہارے وجود میں بھی پھر کیا تم دیکھتے نہیں۔ (۵۱:۲۰-۲۱)
>
> وہ کہتا ہے کہ انسان کو عقل وبصیرت دی گئی ہے اس لئے وہ اس قوت کے ٹھیک ٹھیک استعمال کرنے نہ کرنے کے لئے جواب دہ ہے:

(۱) وہ ہمیشہ نیکی کا حکم دینگے، برائی کو روکیں گے، صبر کی وصیت کریں گے۔

(۲) اس دنیا میں ان کی دوستی ہوگی تو اللہ کے لئے دشمنی ہوگی تو اللہ کے لئے۔

(۳) سچائی کے راستے میں وہ کسی کی پرواہ نہیں کرینگے اور خدا کے سوا وہ اور کسی کے لئے نہیں ڈریں گے۔

(۴) وہ اللہ اور اس کی شریعت کو دنیا کے سارے رشتوں اور ساری نعمتوں اور ساری لذتوں سے زیادہ محبوب رکھیں گے۔

(۵) شریعت کے ہر حکم کی اطاعت بجا لائیں گے جو ان تک پہنچایا جائیگا۔''

آزاد کے مختلف افکار و نظریات:

اس مختصر تحریر میں مولانا آزاد کے تمام افکار کا احاطہ ممکن نہیں ہیں۔ ذیل میں ان کے کچھ اہم افکار پیش کئے گئے ہیں، مولانا آزاد اسلام کے مختلف نظریات کے حامی اور اس کے مکمل ترجمان تھے۔ وہ اپنے فکر وخیال کا منبع ومحور قرآن

وہ بزاز تھے۔ انہوں نے اپنے وسیع علم کو ذریعہ معشیت نہیں بنایا
بلکہ ذریعہ معاش پارچہ فروش تھا۔ حضرت امام معروف کرخیؒ
موچی تھے۔ آج تم ان پیشوں کو سنے کے لئے تیار بھی نہ ہوگے مگر
جن امام کرخی کے احترام کے لئے تمہارے دلوں کے دریچے کھل
جاتے ہیں وہ کرخ کے بازار میں نکل جاتے تھے اور راستہ چلنے
والوں میں سے کسی کا جوتا ٹوٹا ہوتا تھا تو اس کو سی دیا کرتے تھے
اور اس کی اجرت سے اپنی ضروریات پوری کرلیا کرتے تھے۔
شمس الائمہ کا نام بھی حلوائی پڑ گیا تھا ایک طرف خطاب شمس
الائمہ اور دوسری طرف حلوائی یعنی اتنا بڑا عالم حلوہ فروش بنا ہوا
تھا۔''(٦)

آزاد علم کو حاصل کرنا فرض سمجھتے ہیں ان کے نزدیک رسولؐ کی حدیث
طلب العلم فریضة علی کل مسلم و مسلمة (حدیث) تھی جس کو
وہ دستور حیات و دستور عمل تسلیم کرتے ہیں اسی طرح ان کے فکر کو قوت بخشنے کے
لئے اسلاف کا مایہ ناز سرمایہ تھا جس کی وہ تلقین کرتے ہیں کہ علم جو ہر انسانیت ہے
فریضہ انسانی ہے انسان کا فرض ہے کہ وہ علم کی آواز کو ہر ایک ایک کان تک
پہنچائے علم اور علم دین کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی تہی مانگی نہیں ہوسکتی کہ علم کو

وہ کہتا ہے: زمین کی ہر چیز میں آسمان کے ہر منظر میں زندگی کے
ہر تغیر میں فکر انسان کے لئے معرفت حقیت کی نشانیاں ہیں بشرط
کہ وہ غفلت واعراض میں مبتلا نہ ہوجائے۔

اور آسمان وزمین میں (معرفت حق کی) کتنی ہی نشانیاں ہیں
لیکن (افسوس انسان کی غفلت پر) لوگ ان پر سے گذر جاتے
ہیں اور نظر اٹھا کر دیکھتے تک نہیں۔(۲۱.۱۰۵)(۵)

آزاد کے مکتب فکر وخیال کا دوسرا رخ علم کے تعلق سے ہے۔ دار العلوم دیوبند کے طلبہ سے علم کے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں آپ کا نظریہ یہ ہے کہ علم کو وسیلہ معاش نہ بناؤ علم کو علم کی حیثیت سے اپناؤ اور علم کو مقصدیت کے لئے حاصل کرو جب بھی وہ سودمند اور مفید ہوگا، علم کو کسب معاش کے طور پر حاصل کرینگے تو اس میں گہرائی وگیرائی نہیں رہتی چنانچہ اپنے اس مکتب کے استشہاد میں مختلف علماء قدیم کا حوالہ دیتے ہیں جنہوں نے علم کو فرض سمجھ کر حاصل کیا اور کسب معاش کے لئے دوسرے پیشہ کو اپنایا اور دنیا میں سرخ رو ہوئے۔ لماء کے نام گنواتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

''حضرت ابوحنیفہ جن کی فقہ پر کروڑوں مسلمان عمل کرتے ہیں

پر اپنے گراں مایاں اور عمیق افکار بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''تعمیری پروگرام میں ہندو مسلم اتحاد کی تبلیغ کا کام از سر نو شروع کرنا چاہیے ملک کی مزدور جماعتوں کی تنظیم جن سے غافل رہ کر ہم آئندہ کوئی کام نہیں کر سکتے ...ام کی سیاسی تعلیم تحریر وتقریر کے ذریعہ سے ہم کو اپنی جد وجہد کی گذشتہ سرگرمی میں تیاری اتحاد اور مقابلہ سب کام بیک وقت کرنا پڑے . وہ اسے محض کسی مذہبی خوش اعتقادی کی بنا پرنہیں بلکہ خالص جذبہ حب الوطنی سے اپنا فرض سمجھیں''۔(۸)

آشتی اور اتحاد کے تعلق سے مولانا آزاد اسلام کے پیام کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''آج سے بارہ سال پہلے ''الہلال'' کے ذریعہ مسلمانوں کو یاد دلایا تھا کہ آزادی کی راہ میں قربانی وجان فروشی ان کا قدیم اسلامی ورثہ ہے ان کا اسلامی فرض یہ ہے کہ ہندوستان کی تمام جماعتوں کو اس راہ میں اپنے پیچھے چھوڑ دیں میری صدائیں بے کار نہ گئیں مسلمانوں نے اب آخری فیصلہ کرلیا ہے کہ اپنے ہندو، سکھ، عیسائی، پارسی، بھائیوں کے ساتھ ملکر ملک کو غلامی سے

کسب دنیا کا وسیلہ سمجھا جائے۔ دنیوی تعلیم حاصل کرنے لے لئے علم محض اس وجہ سے حاصل کرتے ہیں جس کے ذریعہ انہیں سرکاری ملازمتیں مل جائے ان کے نزدیک مقصدیت نہیں رہنا ہے یہی وجہ ہے کہ اس علم میں پختگی اور علم کے وہ گوہر مفقود ہے جس کی متلاشی آج کی موجودہ انسانیت ہے۔ آزاد جذبات سے لبریز ہوتے ہوئے اپنے فکر کو آگئے بڑھاتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

> '' آپ کا پختہ عقیدہ اور آپ کا نصب العین اشاعت علم ہونا چاہیے ان میں دین کی خدمت کو آپ اپنا فرض سمجھیں اور اس فرض کو فرض کی حیثیت سے ادا کریں ہرگز ایسا نہ ہو کہ علم کو آپ متاع اور وسیلہ سمجھنے لگیں۔'' (۷)

آزاد کے مکتب فکر کا تیسرا گوہر ہمیں ان کے خطبہ صدارت اجلاس خصوصی انڈین نیشنل کانگریس دلی ۱۵/ دسمبر ۱۹۲۳ء میں جلوہ گر ہوتا ہوا نظر آتا ہے جس میں وہ ہندو مسلم اتحاد اور وطن دوستی کا پیغام دیتے ہیں۔ آزاد کی شخصیت میں حب الوطنی اور باہمی اتحاد بکثرت موجود تھا وہ ہمیشہ اس امر کی طرف ہندوستانیوں کو راغب کرنے کی کوشش کرتے رہے اسی میں وہ ملک کی آزادی اور ملک کی کامیابی کا راز پنہاں گردانتے ہیں چنانچہ اپنے خطبۂ صدارت میں مختلف پہلوؤں

امن و آشتی کے متعلق اسلامی تعلیمات کا خلاصہ پیش کیا ہے۔

انسانیت کو اسلامی پیام امن کا درس دیتے ہوئے مولانا ابوالکلام آزاد اپنے ایک مقالہ الطامۃ الکبریٰ کی ایک ذیلی سرخی ''ماتم انسانیت'' میں لکھتے ہیں:

''انسان ہی ہے جو فرستے سے بہتر ہے اگر اپنی قوتوں کو امن وسلامتی کا وسیلہ بنائے اور انسان ہی ہے جو سانپ کے زہر اور بھیڑیے کے پنجے سے بھی زیادہ خون خوار ہے اگر راہ امن وسلامتی کو چھوڑ کر بہیمیت اور خون خواری پر اترے آئے (انا هديناه السبيل اما شاكرا و اما كفورا)

الم نجعل له عينن ولسانا وشفتين وهديناه النجدين (۹۰-۹)

پھر کیا ہم نے انسان کو دیکھنے کے لئے دو آنکھیں اور زبان اور ہونٹ نہیں دیے۔! بے شک دیے اور خیر و شر کی دونوں راہیں اسے دکھلا دیں۔ یہیں انسانیت اعلیٰ اور ملکوتیت عظمٰی ہے جس کی تقویم و تکمیل کے لئے دین الٰہی اور شریعت فطری کا ظہور ہوا۔ اور یہیں پیغام امن رہنمائے صلح و صلاح اور وسیلہ فوز و فلاح ہے جس کا دوسرا نام ''اسلام'' ہے یعنی جنگ کی جگہ صلح خون و ہلاکت

نجات دلائیں گے۔(۹)

امن وآشتی کی برقراری کے لئے سماج کے تمام افراد میں مساوات کا تصور ضروری ہے، انسانی مساوات کے بغیر امن وآشتی ناممکن ہے، مولانا آزاد مساوات کے زبردست علم بردار تھے اپنی تحریر ''قول فیصل'' میں اسلامی مساوات کی تاریخ بیان کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

> ''دور پیغمبر اسلام اوران کے چار جانشینوں کا دور خالص اور کامل طور پر اسلامی نظام کا تھا، یعنی اسلامی جمہوریت (ری پبلک) اپنی اصل صورت میں قائم تھی ایرانی شہنشاہی اور رومی امارت (Aristocracy) کا کوئی اثر ابھی اسلامی مساوات عامہ (Democracy) پر نہیں پڑا تھا۔ اسلامی جمہوریت کا خلیفہ خود بھی طبقہ عوام (ڈیموکریٹ) کا ایک فرد ہوتا تھا اور ایک عام فرد وقوم کی طرح زندگی بسر کرتا تھا وہ دار الخلافت کے ایک خس پوش چھپر میں رہتا تھا اور چار چار پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنتا''۔(۱۰)

مولانا آزاد امن وآشتی کی اہمیت اور ضرورت کا گہرا شعور رکھتے تھے ان کا خیال تھا کہ اسلام دراصل امن وآشتی کا مذہب ہے انھوں نے مختلف موقعوں پر

جاؤتو ترقی کی اس انتہاء کے لئے بھی کوشش کر دیکھو مگر بغیر سلطان
الٰہی کے کچھ نہ کرسکو گے اور یاد رکھو کہ وہ وقت تمہارے بس میں
نہیں ہے''۔(۱۲)

آزاد پہلے جلیل القدر مسلم رہ نما تھے جنہوں نے زور وقوت کے ساتھ ہند
کی متحدہ قومیت کا تصور پیش کیا اور اس ملک کے عام و خاص میں رائج کرنے کے
لئے اپنی تمام تر ذہنی، علمی اور استدلالی صلاحیتیں صرف کر دی اس کے ساتھ ساتھ
آپ نے عالمگیر انسانی اخوت کو مساوات پر زور دیا، اقوام عالم کو پوری انسانی
برادری کا حصہ قرار دنیا موجودہ دور کے بڑے بڑے سیاست دانوں کا پسندیدہ
مشغلہ ہے لیکن مولانا آزاد نے اس وقت اس کے خشت اول رکھی جب رنگ
ونسل کی تفریق اور ادنیٰ و اعلیٰ مفادات کے پیدا کئے ہوئے باہم متصادم نظری اور
عملی اختلافات میں اس طرف متوجہ ہونے کی کوئی گنجائش باقی نہیں چھوڑی تھی۔

فی الجملہ آزاد اسلام کی مذہبی فکر کے ترجمان کی حیثیت سے یکتائے
روزگار تھے اور ترجمانی اسلام کے میدان کے شہہ سوار سپاہی تھے جو اپنا انداز آپ
رکھتے تھے اور دنیا کو فکر و خیال کی دعوت دیتے تھے۔

جمہوریت اور مساوات ملک میں امن وآشتی کے قیام و استحکام کا سب

کی جگہ عمران وحیات اور بربادی وخرابی کی جگہ سلامتی و امنیت ہے وہ بتلاتا ہے اگر انسان اپنی قوت ملکوتی اور فطرت صالحہ سے کام نہ لیں تو وہ بڑے ہی گھاٹے ٹوٹے میں ہے۔''

والعصر ان الانسان لفی خسر ان الذین امنوا وعملوا الصالحات وتواصوا بالحق وتوصوا بالصبر(۱۰۳-۳) (۱۱)

آگے وہ انسانوں کو امن کی طرف دعوت دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اے انسان کی غفلت اور اے اولاد آدم کی نادانی: تو کب تک خدا سے لڑے گی اور کب تک اس کی زمین کے امن وراحت کو روکے گی حالانکہ تمدن اور علم تجھے قوی بنا سکتا ہے پر نیک نہیں بنا سکتا۔

یا معشر الجن وا لانس ان استطعتم ان تنفذوا من اقطار السموات والارض فانفذوا لا تنفذون الا بسلطان(۵۵-۲۷)

اے مجمع جن وانس! اگر تمہاری طاقت میں ہے کہ زمین وآسمان کے مدبرات وملکوت کے اندر سے اپنی راہ پیدا کرکے آگے کو نکل

اپنے ذخیروں سے مالا مال تھی ہم نے اپنی دولت اس کے
حوالے کر دی اور اس نے اپنے خزانوں کے دروازے ہم پر کھول
دیے ہم نے اسے اسلام کے ذخیرے کی وہ سب سے زیادہ قیمتی
چیز دے دی جس کی اسے سب سے زیادہ احتیاج تھیں ہم نے
اسے جمہوریت اور انسانی مساوات کا پیام پہنچا دیا''۔(۱۳)

جمہوری اقدار کو آزاد اسلام کا اصل کارنامہ سمجھتے ہیں، چنانچہ وہ لکھتے
ہیں.

''یہ تھا اسلام کا عدیم المثال کارنامہ، جو اس نے تئیس برس کی
مدت میں پیش کیا۔ نسلی اور شخصی غرور کا نام تک نہ رہا، نظریوں کا
سوال نہیں بلکہ سوال اجتماعی زندگی کی مشکلات کے حل کا ہے ان
حلوں کو اسلام نے زندگی کا لازمی جز بنا دیا ہے اور جمہوریت کی
وہ روح جو آج سے تیرہ سو سال پہلے پھونکی گئی تھی اور وہ جو ہر جو
اسلام نے پیش کیا تھا آج بھی باقی ہے''۔(۱۴)

جہاد کے متعلق مسیحی مشنریوں نے برادران وطن میں بڑی غلط فہمیاں
پھیلا رکھی تھی۔ مولانا آزاد اس اصطلاح کی تشریح کرتے ہوئے خامہ طراز ہیں:

سے موثر اور طاقتور وسیلہ ہیں۔ جمہوریت کے سوا کسی اور نظام میں یہ صلاحیت نہیں ہے کہ ملک کی مختلف مذہبی، لسانی، تہذیبی اور لسانی وحدتوں کے درمیان اتفاق وہم آہنگی پیدا کر سکے۔ اسی طرح اعلیٰ وادنی کا امتیاز ملک کے مختلف طبقات کے درمیان مستقل تصادم اور دائمی کشمکش کو جنم دیتا ہے اس کے برخلاف مساوات کے تصور سے آپسی آویزش اور عداوت کو ختم کیا جاسکتا ہے۔ مولانا آزاد جمہوریت اور مساوات کے تصور کو مذہب اسلام کے ذخیرے کی سب سے قیمتی متاع سمجھتے ہیں۔ اس متاع گراں بہا کو مسلمانوں نے دیار ہند میں نہایت فراغ دلی سے تقسیم کیا۔ چنانچہ وہ انڈین نشینل کانگریس (۱۹۴۰) کے خطبہ صدارت میں کہتے ہیں:

> ''میں مسلمان ہوں اور فخر کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ مسلمان ہوں۔ اسلام کی تیرہ سو برس کی شاندار راویتیں میرے ورثے میں آئی ہیں.. بحیثیت مسلمان ہونے کے میں مذہبی اور کلچرل دائرے میں اپنے ایک خاص ہستی رکھتا ہوں . .. میں فخر کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کے میں ہندوستانی ہوں.... ہندوستان کے لئے قدرت کا یہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ اس کی سرزمین انسان کی مختلف نسلوں، مختلف تہذیبوں اور مختلف مذہبوں کے قافلے کی منزل بنے ہم اپنے ساتھ اپنا ذخیرہ لائے تھے یہ سرزمین بھی

جہاد فی الحقیقت ایک کثیر الابعاد اور کثیر المعنی اصطلاح ہے۔ جہاد کے متعلق مولانا آزاد اسلامی نقطہ نظر سے اس کی حقیقی مفہوم کو بہت اچھے پیرائے میں بیان کرتے ہیں وہ اسلامی جہاد کے متعلق رقم طراز ہیں:

''عرب میں جنگ کے لئے سینکڑوں الفاظ سینکڑوں ترکیبیں سینکڑوں محاورے اور سینکڑوں استعارے پیدا ہو گئے تھے۔ لیکن وہ سب کے سب ایک وحشیانہ جنگ کے لئے موزوں تھے۔ ایک متمدن قوم ایک ترقی یافتہ نظام ایک صلح پسند مذہب ایک پیام رسانِ امن جماعت ان الفاظ کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی غزوات اسلامیہ کے صرف ایک سادہ لفظ ''جہاد'' استعمال کیا جس سے کہ جنگ کی طرح نہ تو غیظ وغضب کے جذبات ظاہر ہوتے تھے نہ لوٹ مار سلب وغضب اور وحشت کی بو آتی تھی بلکہ وہ اسی انتہائی کوشش پر دلالت کرتا ہے جو ایک اعلیٰ مقصد کے حصول کے لئے کی جا سکتی ہے خواہ بذریعہ قویٰ ہو یا بذریعہ افعال ہو یا بواسطہ قبضہ شمشیر۔ لیس للانسان الا ما سعی (الایۃ) انسان کو صرف اپنی کوشش ہی کا صلہ مل سکتا ہے۔(۱۷)

قرآن کریم نے جنگ کے ہر موقع پر اس لفظ کا استعمال کیا ہے اور

''جہاد'' لفظ ''جہد'' سے ہے جس کے معنی محنت، تعب، مشقت اور کسی کام کے لئے سخت تکلیف برداشت کرنے کے ہیں پس جہاد کی تعریف یہ ہے:
استفراغ الوسع فی مدافعة العدو ظاهرا وباطنا (مفردات امام راغب) دشمن کے حملے کی مدافعت میں اپنی پوری طاقت اور قوت سے کوشش کرنا۔ وہ دشمن ظاہری حملہ آور مثلا اعدائے دین وملت اور ان کا حرب وقتال یا باطنی جیسے نفس ومظاہرہ شیطان۔(۱۵)

عبد المغنی اپنی کتاب'' ابو الکلام آزاد کا اسلوب نگارش'' میں مشمولہ مضمون'' طرز آزاد کا ارتقا'' میں مولانا آزاد کے نظریہ اسلامی جنگ وصلح پر بحث کرتے ہوئے آزادی کی تحریر کو اقتباسی شکل میں نقل کرتے ہیں جس میں آزاد کہتے ہیں:

> '' قرآن حکیم نے حرب (جنگ) کی حقیقت میں جو انقلاب پیدا کیا اس میں سب سے زیادہ نمایاں کارنامہ جنگ کے مقصد کو متعین کرنا اور اسے محض بھی قتل وغارت کے دائرے سے نکال کر ایک اخلاقی، اجتماعی اور مدنی مقصد کی سطح تک پہنچانا ہے اسی سلسلے میں ظاہر کیا گیا تھا کہ اسلام کا اصل مقصد صلح وسلام ہے''۔(۱۶)

> مقصد ان سے بہت اعلیٰ واشرف ہے یہی وجہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں طلب مال غنیمت پر عتاب الٰہی نازل ہوا تھا''۔(۱۸)

اسلام کے ارکان خمسہ میں حج بھی ایک رکن ہے۔مولانا ابوالکلام آزاد کی نظروں میں اس رکن کا اہم ترین مقصد امن وسلامتی اتحاد واتفاق، اخوت وبھائی چارگی درس مساوات اورالفت ومحبت ہے۔مولانا آزاد اپنے ایک مقالہ ''تاریخ فرضیت حج'' کے ذیل سرخی ''یوم الحج کا ورود مقدس'' میں اس عظیم اور مقدس فریضے کی غرض وغایت اس طرح واضح کرتے ہیں:

> '' جس نے اپنے ایک قدوس دوست کی دعاؤں کو سنا اور قبول کیا جب کہ نیکی کا گھرانا آباد کرنے کے لئے اور امن وسلامتی اور حق وعدالت کی بستی بسانے کے لئے اس نے اپنے خدا کو پکارا تھا۔ ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی ذرع عند بیتك المحروم ربان لیقیموا الصلوۃ واجعل افئدۃ من الناس تھوی الیھم وارزقھم من الثمرات لعلھم یشکرون (۱٤:٤) ''

قرآن کی اصطلاح میں اس کا استعمال واطلاق صرف جنگ اور
خونریزی تک ہی محدود نہیں بلکہ عموماً اس کے ذریعہ سے عام ایثار
، ضبط نفس ، خاموش تزکیہ نفس اور تہذیب واخلاق کا اظہار کیا
گیا ہے سینکڑوں جگہ یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔لیکن لكن رسول
والذين امنوا من جاهدوا باموالهم وانفسهم
واولئك لهم الخيرات واولئك هم المفلحون
(آلاية) والذين جاهد ماننا لنهدينهم سيلنا وان
الله لمع المحسنيين ۔۔اس آیت میں جہاد نفس وروح
کا ذکر کیا گیا اسے انحضرتؐ نے ام الاحادیث یعنی حدیث
جبریل میں واضح تر کر دیا ہے۔ان تعبد الله كانك تراه
فلم تكن تراه فانه يراك (الحديث) ۔ ثم ان ربك
الذين هاجروا بعد ما فتنوا ثم باهداء و اصبر ان
روك من من بعد ها لغفور الرحيم (الآية)
وتواصوا بالحق۔ وتواصوا بالصبر (الآية) ۔ ان
آیتوں میں ثابت ہوتا ہے کہ جہاد اسلام کی حقیقت صبر واستقلال
اور ضبط ایثار سے مفتوح ہوتی ہے مال غنیمت اور اظہار غیظ
وغضب وغیرہ اس کی حقیقت میں نہ تو داخل ہیں اور نہ اس کا
خاصۂ لازمی ہیں وہ محض بالکل عارضی چیزیں ہیں جہاد کا اصل

ربعية ربا الجاهلية موضوع واول ربا اضع ربانا ربا عباس ابن عبد المطلب۔ الهم اشهد اللهم اشهد اللهم اشهد۔ (ابو داود جلد-١، ص-٢٦ كتاب الحج)

اب حق پھر کر اپنے اصلی مرکز پر آ گیا اور باپ نے دنیا کی ہدایت اور ارشاد کے لئے جس نقطہ سے پہلا قدم اٹھایا تھا بیٹے سے روحانی سفر کی وہ آخری منزل ہوئی اور اسی نقطہ پر پہنوچ کر اسلام کی تکمیل ہوگئی اس لئے کہ اس نے تمام دنیا کو مژدہ امن سنایا تھا۔'' (۲۰)

مولانا ابوالکلام آزاد کے فکر و خیال میں اسلامی پیام امن و صلح رچ بس گیا تھا جب کبھی انھیں موقع ملا اس کا برملا اظہار کیا گویا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی زندگی اسی مقصد کے لئے وقف تھی۔ آزاد نے اسلام کی ترجمانی کرتے ہوئے اس کا پیام امن دنیا کے امن و آشتی کے متلاشی انسانوں کو دیا۔ آج اسلام دشمن عناصر مسلمانوں کو دہشت گرد اور اسلام کو ایک جنگجو مذہب ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ حالانکہ قرآن اور حدیث کی تعلیمات جو اسلامی اصولوں کا سرچشمہ ہیں ایک کھلی کتاب کی طرح دنیا کے سامنے ہیں لیکن قومی غرور یا بالاتری کے نشے

آہ! ذراتم ان عجیب وغریب حالتوں کا تصور کرو! یہ کون لوگ ہیں
اور کس پاک بستی کے بسنے والے ہیں! کیا یہ اس زمین کے فرزند
ہیں جو خون اور آگ کی لعنتوں سے بھر گئی ہے اور صرف بربادیوں
اور ہلاکتوں ہی کے لئے زندہ رہی! ......آہ! اگر ایسا نہیں ہے تو
بھی یہ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں یہ قدسیوں کی سی
معصومیت، فرشتوں کی سی نورانیت اور سچے انسانوں کی سی محبت
ان میں کہاں سے آگئی ہے! تمام دنیا نسلی تعصّبات کے شعلوں میں
جل رہی ہے مگر دیکھو یہ دنیا کی تمام نسلیں کس طرح بھائیوں اور
عزیزوں کی طرح ایک مقام پر جمع ہیں اور سب ایک ہی حالت
ایک ہی وضع، اک ہی لباس، ایک ہی قطع، ایک ہی مقصد اور ایک
ہی صدا کے ساتھ ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں!''(۱۹)

آزاد اسی موضوع پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے ''الہلال'' میں رقمطراز
ہیں:

'' ان دماو کم واموالکم علیکم حرام کحرمة یومکم
هذا فی شهر کم هذا فی بلدکم هذا۔ الا ان کل شئی
من امر الجاهلیة تحت قدمی موضوع ودماء
الجاهلیه موضوعة واول دم اصفه دما وتادم ابن

اس کے رسولؐ کے اقوال کو نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"قرآن کہتا ہے محبت الٰہی کی راہ اس کی مخلوق کی محبت میں سے ہو کر گزرتی ہے جو انسان چاہتا ہے کہ خدا سے محبت کرے اسے چاہیے کہ خدا کے بندوں سے محبت کرنا سیکھے۔ وآتی المال علی حبه (۲ ۱۷۷)

اور جو اپنا اللہ کی محبت میں نکالتے اور خرچ کرتے ہیں ویطعمون الطعام علی حبه مسکینا و یتیما واسیرا۔ انما نطعمکم لوجه الله لا نرید منکم جزاء ولا شکورا۔ اوراللہ کی محبت میں وہ مسکینوں یتیموں قیدیوں کو کھلاتے ہیں (اور کہتے ہیں) ہمارا یہ کھلانا اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے کہ محض اللہ کے لئے ہے ہم تم سے نہ تو کوئی بدلہ چاہتے ہیں اور نہ کسی طرح کی شکرگذاری۔(۷۶:۸-۹)(۲۲)

اسلام کی رو سے انسانوں پر رحم کرنا بھی ایک عبادت ہے سورہ فاتحہ کی ترجمانی میں ابوالکلام آزاد اس تصور کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"پیغمبر اسلام نے اپنے قول وعمل سے جو حقیقت ہم پر واضح کی

میں چورعناصر طرح طرح سے مغالطہ میں رکھا۔ غلط فہمیاں پیدا کر کے اور مختلف سازشوں کے ذریعہ دنیا کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ اسلام اور مسلمان امن کے نہیں جنگ کے نقیب ہیں۔ جب کہ مولانا ابوالکلام آزاد یہ بانگ دہل کہتے ہیں کہ مسلمانوں کا وجود امن آشتی کی ضمانت ہے۔ چنانچہ وہ اپنے ایک مضمون ''الہلال کے مقاصد اور پولٹیکل تعلیم'' میں رقم طراز ہیں کہ:

''مسلمان دنیا میں صلح وامن کا پیام ہیں انھوں نے تلوار بھی اٹھائی ہے صلح کی حمایت میں پس فتنہ وفساد اگر اوروں کے لئے معیوب وجرم ہے تو ان کے لئے تو معصیت اور فسق ہے ...تعانوا علی البر والتقوی ولا تعانوا علی الاثم والعدوان (۲:۵) ۔ ایک دوسرے کی مدد کرو نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں کے لئے گناہ اور فساد کے لئے نہیں۔

وہ دنیا میں خدا کے پاس اس امر کے ذمہ دار ہیں کہ نیکی کی حفاظت کریں اور فساد کو روکیں پس ہر اچھی بات کرنے والوں کے وہ مددگار رہوں خواہ وہ گورنمنٹ ہو یا کوئی اور قوم۔''(۲۱)

مولانا آزاد اسلامی پیام امن ومحبت کی اہمیت کے بارے میں اللہ اور

تاریکیوں کو مٹادیا اس کی روشنی کی فیضان بخشی نے اسود وابیض اور عرب وعجم کی کوئی تمیز نہ رکھی وہ رب العالمین تھا پس ضروری تھا کہ اس کی راہ کی طرف دعوت دینے والا بھی رحمة للعالمین ہو۔ وما ارسلنك الا رحمة للعالمین ۱۰۷.۲۱ ۔

لیکن اسلام دنیا میں پہلی آواز ہے جس نے انسان کی بنائی ہوئی تفریقات پر نہیں بلکہ الٰہی تعبد کی وحدت پر ایک عالمگیر اخوت واتحاد کی دعوت دی اور کہا کی یاایھا الناس انا خلقناکم من ذکر وانثی وجعلنا کم شعوبا وقبائل لتعارفعوا ان اکرمکم عند الله اتقاکم

پس درحقیقت اسلام کے نزدیک وطن ومقام اور رنگ وزبان کی تفریق کوئی چیز نہیں رنگ اور زبان کی تفریق کو وہ ایک الٰہی نشان ضرور تسلیم کرتا ہے۔ومن ایاتی خلق السموات والارض واختلاف السنتکم والوانکم۔ اس کو وہ کسی انسانی تفریق وتقسیم کی حد نہیں قرار دیتا اگرچہ سمندروں کے طوفان پہاڑوں کی مرتفع چوٹیوں زمین کے دور دراز گوشوں اور جنس ونسل کی تفریقوں نے ان کو باہم ایک دوسرے سے جدا

ہے وہ تمام تر یہی ہے کہ خدا کی موحدانہ پرستش اور اس کے
بندوں پر شفقت ورحمت کی جائے ایک مشہور حدیث ہمیں بتلاتی
ہے کہ انما یرحم اللہ من عبادہ الرحماء ۔

حضرت مسیحؑ کا مشہور کلمہ وعظ کہ ''زمین پر رحم کروتا کہ وہ جو آسمان
پر ہے تم پر رحم کرے'' بجنسہ پیغمبر اسلام کی زبان پر بھی طاری ہوا
''وارحموا من فی الارض یرحمکم من فی
السماء'' ایک سے زیادہ حدیثیں اس مضمون کی موجود ہیں کہ
اللہ کی رحمت رحم کرنے والوں کے لئے ہے اگر چہ یہ رحم ایک حقیر
چڑیا ہی کے لئے کیوں نہ ہو'' (۲۳)

آزاد اسلام کے ایک متبحر عالم اور اس کے سچے ترجمان تھے انہوں نے
اخوت بھائی چارگی اور اتحاد کا درس مذہب اسلام سے حاصل کیا اور لوگوں کو اس
کی تلقین کی چنانچہ اپنے ایک خطبہ منعقدہ کلکتہ بابتہ ۲۷/ اکتوبر ۱۹۱۴ء میں امن
وآشتی کے اسلامی پیغام کے موضوع پر اپنے خیالات وافکار کا اس طرح اظہار کیا
ہے:

'' آفتاب توحید نے طلوع ہوتے ہی تفریق وانشقاق کی تمام

اخوانا (۲۴)

اس خطبے میں امن وآشتی اتحاد واتفاق اور انسانی ہمدردی ومساوات جیسے مسائل پر اسلامی تعلیمات کی ترجمانی کرتے ہوے مولانا کی فکر کا دائرہ ملکی وقومی حدود سے پھیلتے ہوئے عالمگیر سطح تک پہنچ جاتا ہے ان کی نظر میں اخوت اور مساوات کی جو تعلیم اور امن وعافیت کا جو تصور اسلام نے جو دیا ہے ہو کسی ایک قبیلے یا قوم یا ملک کے لئے نہیں ہے بلکہ اس کی صلح عام ہے جو ساری انسانیت کے لئے ہے مولانا آزاد کی نظر میں اخوت اور برادری اور امن سلامتی کی ضرورت کے بین الاقوامی تقاضہ ہے اس لئے امن وآشتی اور صلح ومحبت کا اسلامی تصور بھی عالمگیر وسعت اور آفاقیت کا حامل ہے مندرجہ بالا اقتباس میں مولانا آزاد نے قرآن کی آیت یاایھا الناس خلقناکم ..کے حوالے سے اس بات پر زور دیا ہے کہ دنیا کے سارے انسان آدم کی اولاد ہے اس اعتبار سے سب ہم نسب ہیں اور سب کے درمیان خونی رشتہ پایا جاتا ہے اس لئے رنگ ونسل اور جنس ووطن کی دیواریں انسانی واخوت اور مساوات کے درمیان حائل نہیں ہونی چاہئے۔قومی اور نسلی شعور جب شدت اختیار کر جاتا تو فتنے اور فساد کا موجب بن جاتا ہے قومی بالاتری کے احساس اور قومی غلبہ اور تفوق کی کوششوں کے سبب بھی

کردیا ہو۔ ان هذا امتكم امة واحدة وانا ربكم فاتقون (۲۳-۵۲) (بے شک تمہاری جماعت ایک ہی امت ہے اور ہم ایک ہی تمہارے پروردگار ہیں)۔

اے برادران ملت! یہی اسلام کی وہ عالمگیر اخوت اور دعوت اسلام کی وحدت تھی اسلام نے ریگستان حجاز میں ظہور کیا مگر صحرائے آفریقہ میں اس کی پکار بلند ہوئی اس کی دعوت کی صدا جبل بوقبیس کی گھاٹیوں سے اٹھی مگر دیوار چین سے صدائے اشھد ان لا الہ الا اللہ کی بازگشت گونجی تاریخ کی نظر میں جس وقت دجلہ وفرات کے کنارے پیروان اسلام کے نقشِ قدم گن رہی تھی عین اس وقت گنگا اور جمنا کے کنارے سیکڑوں ہاتھ تھے جو خدائے واحد کے آگے سر بسجود ہونے کے لئے وضو کررہے تھے خدائے رحیم نے ان صدیوں کے بچھڑے ہوئے دلوں کو ایک دائمی صلح کے ذریعہ پھر ایک جگہ جمع کردیا اور ان کے روٹھے ہوئے دلوں کو اس طرح ایک دوسرے سے ملا دیا کہ تمام پچھلے شکوے اور شکایتیں بھول کر ایک دوسرے کے بھائی اور شریک رنج وراحت ہوگئے۔واذكروا نعمة الله عليكم اذ كنتم اعداء فالفه بنى قلوبكم فاصبحتم بنعمة

تحریک خلافت کی بنا پر نہیں چونکہ انہوں نے اپنی ہدایت کے لئے
اپنی ہر فکر اور ہر کام کے لئے صرف ایک ہی راستہ ہدایت کا اپنے
ہاتھ میں پکڑ لیا تھا اس لئے کہ اسلام کے اصولوں نے اسلام کی
تعلیم نے ان کو مجبور کیا تھا کہ اس کا ہندوستان میں اعلان
کریں میں اپنے سینے میں وہ دل رکھتا ہوں جس کے لئے
ہدایت کی کوئی شعاعیں نہیں ہوسکیں جو فاطر السموات نے نہ بھیجی
ہوں میرا عقیدہ ہے کہ ہندوستان میں ہندوستان کے مسلمان
اپنے بہترین فرائض انجام نہیں دے سکتے جب تک کہ وہ احکام
الاسلامیہ کے ماتحت ہندوستان کے ہندوؤں سے پوری سچائی
کے ساتھ اتحاد و اتفاق نہ کرلیں یہ اعتقاد قرآن مجید کی نص قطعی پر
مبنی تھی "(۲۵)

مولانا ابوالکلام آزاد ہندو مسلم اتحاد کے زبردست حامی ہیں اور اس
کے مقابل میں وہ دنیا کی ہر چیز کو ہیچ گردانتے ہیں اور اس کے حصول کے لئے
بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لئے ہمہ تن تیار نظر آتے ہیں ہندوستان کی آزادی
مولانا آزاد کی زندگی کا سب سے بلند اور سب سے اہم نصب العین تھا لیکن
ہندو مسلم اتحاد کے آگے وہ اس مقصد سے بھی دست کش ہونے کو آمادہ ہو جاتے

انسانیت کو دو عالمگیر جنگوں کے مہیب شعلوں سے گذرنا پڑا۔ رنگ ونسل کی تفریق اور قوم ومسکن کا امتیاز وحدت آدم کا ضامن ہے۔ دور حاضر میں قومیت (Nationalism) کے اعتدال سے بڑے ہوئے جذبے نے دنیا کی مختلف قوموں اور ملکوں کے درمیان کشمکش اور آویزش کی فضا پیدا کی ہے۔ اس مصیبت سے چھٹکارا پانے کا واحد راستہ اسلام کے تصور امن وآشتی میں مضمر ہے۔ چنانچہ بحوالہ بالا خطبہ مولانا آزاد نے اسلام کی عالمگیر اخوت کے پیغام کی تشریح وتعبیر اس انداز سے کی ہے کہ اس کی روشنی میں جنگ وجدال، پیکار وللکار اور تصادم کی فضا کو صلح وامن عفو ودرگذر اور مساوات ویکجہتی سے بدلا جا سکتا ہے۔

اسلامی تعلیم اتحاد واتفاق امن وآشتی کا درس دیتے ہوئے مولانا آزاد اپنے فکر کو مجلس خلافت کے خطبہ صدارت میں کھل کر اسلام کی سچی اور حقیقی تصویر پیش کرتے ہوئے جو آگرہ میں بابتہ ۲۵/ اگست ۱۹۲۱ء کو منعقد ہوئی تھی، مختلف امور پر ہندوستانی عوام کے نظروں کو مبذول کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں کہ:

''ہندو مسلمانوں کے اتحاد کا مسئلہ اگر چہ اپنے سیاسی مسئلہ ہونے کے لحاظ سے ہندوستان کی نجات کے لئے ایک ضروری مسئلہ رہا ہے لیکن ہندوستان میں ایسے لوگ موجود تھے جنہوں نے

انسانوں کی دوبارہ آبادکاری اور اسلامی الفت ومحبت امن وآشتی کے فروغ ونشونما کے لئے از حد ضروری ہیں بلکہ یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ مذکورہ تعلیمات امن وآشتی کے عناصر ترکیبی ہیں۔ ان تصورات کے اثبات کے لئے مولانا آزاد قرآن سے استشہاد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

صلہ رحمی:

''صلہ رحمی یعنی قرابت داری کی گیرائیاں ایک وجود کو دوسرے وجود سے جوڑتیں اور معاشرتی زندگی کی باہمی الفتوں اور معاونتوں کے لئے محرک ہوتی ہیں در اصل انسان کی اجتماعی زندگی سارا کارخانہ اسی صلہ رحمی کے سررشتہ نے قائم کر رکھا ہے۔

یا ایها الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدة وخلق منها زوجها وبث منهما رجالا کثیرا و نساء۔ واتقوا الله الذی تسئلون به من الارحام ان الله کان علیکن رقیبا۔ والله جعل لکم من انفسکم ازواجا وجعل لکم من ازاواجکم بنین وحفدة۔ (۲۷)

ہیں۔ چنانچہ وہ اپنے ایک صدارتی خطبہ (خطبہ صدارت · انڈین نیشنل کانگریس دلی-۱۵/ دسمبر۱۹۲۳) میں قوم وملت سے خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ.

> ''ہماری جدوجہد کی بنیاد کا کیا حال ہے۔ میرا اشارہ ہندومسلم اتحاد کی طرف ہے یہ ہماری تعمیرات کی وہ پہلی بنیاد ہے جس کے بغیر نہ صرف ہندوستان کی آزادی بلکہ ہندوستان کی وہ تمام باتیں جوکسی ملک کے زندہ رہنے اور ترقی کرنے کے لئے ہوسکتی ہیں محض خواب وخیال ہے . آج اگر ایک فرشتہ آسمان کی بدلیوں سے اتر آئے اور قطب مینار پر کھڑے ہوکر یہ اعلان کردے کہ سوراج ۲۴ گھنٹے کے اندر مل سکتا ہے بشرط کہ ہندوستان ہندومسلم اتحاد سے دستبردار ہوجائے تو میں سوراج سے دستبردار ہوجاوں گا مگر اس سے دستبردار نہ ہونگا کیونکہ اگر سوراج کے ملنے میں تاخیر ہوئی تو یہ ہندوستان کا نقصان ہوگا لیکن ہمارا اتحاد جاتا رہا تو یہ عالم انسانیت کا نقصان ہے''۔(۲۶)

صلہ رحمی، صلح جوئی، اسلام انسانیت کے لئے سراپا رحمت ہے، جنگ کے مضر اثرات کے بارے میں آزاد کی رائے تاریخ کی روشنی میں، اسلامیت کی خصوصیت، قرآن کا پیام امن، فتنہ وفساد، اسلام سراپا امن وامان ہے، تباہ شدہ

جنگ کے مضر اثرات کے بارے میں آزاد کی رائے تاریخ کی روشنی میں:

''دنیا کی تاریخ نے ہر زمانے میں اس کی دردناک مثالیں بہ کثرت پیش کی ہیں۔ بخت نصر اٹھا اور بیت المقدس کو برباد کر دیا۔ ایرانی آئے اور بابل کے مقام تمدن کو تاراج کر کے چلے گئے، رومی نکلے اور کارتھیج کی سرزمین کو آگ اور خون سے بھر دیا، سکندر یونان سے نکلا اور ایران کی در و دیوار کے ایک ایک نقش کو مٹا آیا۔ تاتاری ابھرے اور بغداد کے قدیم آثار تہذیب کو دجلہ میں ڈبو دیا۔

''ایران کے تاج شاہی نے موتیوں کے ساتھ اپنے علمی جواہر بھی غارت گاروں کے پاؤں پر نثار کر دیئے۔ سینکڑوں بت خانے منہدم ہو گئے، سینکڑوں مسجدیں ویران ہو گئیں، ہزاروں گرجا گرا دیئے گئے، لاکھوں مدارس برباد ہو گئے۔'' (۳۰)

اسلامیت کی خصوصیت:

''دنیا کی ان تمام بڑی قوموں کے بعد ہمارے سامنے ایک قوم ایسی آتی ہے جس نے اپنے ظہور کے پہلے ہی دن اپنا مقصد بتلا دیا تھا اور جو محض قوتوں کا ایک ہجوم طاقتوں کا ایک اجتماع اور قہر

صلہ جوئی:

''اسلام دنیا میں آیا تو ان دونوں قسم کی لڑائیوں سے سطح ارض کو ایک معرکہ جنگ بنا رکھا تھا لیکن اس نے دفعتہً لڑائی کے حلق کی شہ رگ کاٹ دی۔ لا تباغضوا و لا تحاسدوا ولا تدابرو۔۔ وکنتم علی شفا حفرة من النار فانقذکم منها کذالك یبین الله لکم ایاته لعلکم تفلحون (اورتم لوگ، باہم جنگ وجدل اورقتل وخون ریزی کی وجہ سے گویا آگ کے گڑھے پر کھڑے تھے اور بھڑک رہی تھی لیکن خدا نے اسلام کی تعلیم دے کر تمہیں اس آگ سے نکال لیا۔''(۲۸)

اسلام انسانیت کے لئے سراپا رحمت:

''اولیاء اللہ کی دعوت، دنیا کی اصطلاح وفلاح اور قیام انسانیت کا ملہ ومدنیہ صحیحہ کا سرچشمہ ہے اور اولیاء الشیطان کی دعوت شروفساد اور عدوان وطغیان، معاصی وفسوق، تخریب انسانیت ومدنیت مفسدہ وردیہ کا منبع! اب دیکھو کہ اللہ کے احکام کیا ہیں ۔ ان الله یامرکم بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربی وینه عن الفحشاء و المنکر ۔ ۔'' (۲۹)

یہ دارالامن بھی چھین لیا گیا تھا اس لئے اس کی واپسی کے لئے پورے دس سال تک اس کے فرزند نے بھی باپ کی طرح میدان میں ڈیرہ ڈالا۔ فتح مکہ نے جب اس کا مامن وملجا واپس دلا دیا تو وہ اس میں داخل ہوکر باپ کی طرح تمام دنیا کو ''گم شدہ حق کی واپسی'' کی بشارت دے چنانچہ وہ اونٹ پر سوار ہوکر نکلا اور تمام دنیا کو مژدہ امن وعدالت سنایا۔''(۳۲)

فتنہ وفساد:

''وکم اھلکنا من قریۃ بطرف معشیتھا فتلك مساکنھم لم تسکن من بعدھم الا قلیلا وکنا نحن الوارثون ۔

سکندر اعظم نے ایران کو جلا کر تباہ کر دیا ایرانیوں نے بابل کی اینٹ بجادی۔ بخت نصر نے بیت المقدس کو ویراں کرکے بنی اسرائیل کو کئی قرنوں تک مقید رکھا۔ رومیوں نے ایشیاء اور افریقہ کی آبادیاں بارہاں غارت کی تاتاریوں کے اولین ظہور نے رومۃ الکبریٰ کی تاریخ ختم کردی تھی اور جرمنی کے وحشیوں نے تمدن قدیم کا نقشہ بدل دیا تھا۔ وتلك الایام نداو لھا بین الناس''(۳۳)

واستیلائے بہیمی کا ایک انقلابی سیلاب نہ تھا جو آیا اور بہا کر چلا گیا۔ بلکہ طے شدہ کاموں کا ایک کھلا اوراعلان کردہ پروگرام تھا جسے اپنے ہاتھوں میں لےکروہ دنیا کی اجڑی ہوئی آبادیوں اور برباد کردہ علم وتمدن کی یادگاروں کے سامنے نمودار ہوئی۔
الذین ان مکناھم فی الارض اقاموا الصلوة واتو الذکوة اوامروا بالمعروف و نھوا عن المنکر الله عاقبة الامور "(۳۱)

قرآن کا پیام امن:

واذ قال ابراھیم رب اجعل ھذا بلدا امنا وارزق اھله من الثمرات من امن منھم بالله والیوم الاخر

جس وقت انھوں نے یہ دعا کی تھی تمام دنیا فتنہ وفساد کا گہوارہ بن رہی تھی دنیا کا امن وامان اٹھ گیا تھا۔ اطمینان وسکون کی نیند آنکھوں سے اڑ گئی تھی .. کرہ ارضی کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا جو ظلم وکفر کی تاریکی سے ظلمت کدہ نہ ہو اس لئے انھوں نے آباد دنیا کے ناپاک حصوں سے کنارہ کش ہو کر ایک " وادی غیر ذی زرع " میں سکونت اختیار کی۔ وہاں ایک دارالامن بنایا اور تمام دنیا کو صلح وسلام کی دعوت عام دی۔ اب ان کے صالح اولاد سے

رحیم ... "(۳۴)

تباہ شدہ انسانوں کی دوبارہ آبادکاری:

""خزائن فیضان و برکات سماوی جن کی بخشش کا سلسلہ رک گیا تھا
پھر مساکین جدایت وسائلین رحمت کے منتظر ہو گئے خداوند سینا
اپنے دس ہزار قدوسیوں کو ساتھ لے کر فاران پر نمودار ہوا تا کہ
آتشین شریعت کو ہویدا کرے اور کوہ سعیر کی روح القدس فارقلیط
اعظم کی ہیکل میں متشکل ہوئی تا کہ اس کو بھیج دے جو ناصرہ کی نبی
کے بغیر نہیں جا سکتا تھا۔"(۳۵)

اسلامی الفت ومحبت:

قرآن کہتا ہے محبت الہی کی راہ اس کی مخلوق کی محبت میں سے ہو کر گزرتی ہے جو انسان چاہتا ہے کہ خدا سے محبت کرے اسے چاہئے کہ خدا کے بندوں سے محبت کرنا سیکھے۔

واتی المال علی حبه (۱۷۷:۲)
ویطعمون الطعام علی حبه مسکینا ویتیما واسیراه
انما لطعمکم لوجه الله لا نزید منکم جزاء و لا
شکورا (۷۶:۸-۹)

اسلام سراپا امن وامان ہے:

''ایک انقلاب روحانی تھا جو اب سے ٹھیک تیرہ سو برس پہلے دنیا میں ہوا جب کہ دنیا تغیر کے لئے بے قرار اور تبدیلی کے لئے تشنہ تھی اور جب کہ کوئی نہ تھا جو اس کی پیاس کو بجھائے اور اس کے لئے مضطرب ہو۔ وہ سمندروں کی طغیانی نہ تھی جو زمین کی بستیوں پر چڑھ آتے ہیں بلکہ سرچشمہ ہدایت و فیضان الٰہی کا ایک سر جوش آسمانی تھا جو برسات کے پانی کی طرح زمین پر برساتا کہ اسے سراب کردے وہ زمین کی سطح کو ہلانے والا بھونچال نہ تھا جس سے ڈر کر انسان روتا ہے اور پرندے اپنے گھونسلوں سے نکل کر چیخنے لگتے ہیں۔ بلکہ عالم روح و معنی کا ایک آسمانی زلزلہ تھا جس کی جنبش نے دلوں کو غفلت سے بیدار سے پیدا کیا اور بے قرار روحوں کو امن اور راحت بخشی تا کہ وہ سونے کہ جگہ بیدار ہوں اور رونے کی جگہ خوشیاں منائیں۔ ...خدا کی محبت اور فرشتوں کی برکت ایک الٰہی ظہور تھا جو نسل آدم کے بچھڑے ہوئے گھرانوں کو یکجا کرتا اور زمین کو اس کی چھینی ہوئی امنیت اور سعادت واپس دلاتا۔لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیه ما عنتم حریص علیکم بالمومنین روف

محمد کے زمانے میں تمام مذاہب اور ادیان کے پیروں کو دیا گیا:

یا اهل الکتاب تعالوا الی کلمة سواء تبنا وبینکم الا
نعبداه اللـه و لا نشرك بـه شیئا ولا یتخذ بعضنا
بعضا ارباب من دون الله ۔ (۳:۵۷)

اے اہل کتاب! اس بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں طور پر (مسلم) ہے وہ یہ ہے کہ اللہ کے سوا ہم کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا (اپنا) معبود نہ بنائیں۔ جمعیت انسانی کو متحد کرنے کے لئے قرآن ایک وفاقی اصول پیش کرتا ہے۔(۳۷)

اپنے ایک خطبہ جمعہ میں کامیابی کے چار نکات پیش کرتے ہوئے مولانا آزاد کہتے ہیں:

تمہاری تعلیم فتح مندیوں کی بنیاد چار سچائیوں پر ہے اور میں اس وقت بھی، ملک کے ہر باشندے سے انھیں کی دعوت دیتا ہوں:

(ا) ہندو مسلمان کا کامل اتفاق

ایک حدیث قدسی میں یہی حقیقت نہایت موثر پیرایہ میں بیان کی گئی ہے۔

ان اللـه تعالى يقول يوم القيامة يا ابن آدم مرضت فلم تعدني قال يا رب كيف ادعوك وانت رب العالمين قال اما علمت ان عبدى خلانا مرض فلم تعده اما علمت انك لو عذته لو جدتني عنده يا ابن آدم استطعمتك فلم تعطمنى قال يا رب وكيف اطعمك وانت رب العلمين قال اما علمت انه استطعمك عبدى فلان فلم نطعمه اما علمت انك لو اطعمته لوجدت ذالك عندى يا ابن آدم استسلقيك فلم تسقني قال يا رب وكيف اسقيك و انت رب انعالمين قال استسقاك عبدى فلان فلم تسقه اما انك لو سقيه لوجدت ذلك عندى۔ (اخرجه سلم عن ابى هريره)"۔ (٣٦)

دین الٰہی کا اولین مقصد یہ تھا کہ نوع انسانی کو متحدر کھے اور اسمیں تفرقہ و نزاع نہ پیدا ہو لیکن انسان کی سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ اس نے اتحاد کی اس متاع گراں بہا یعنی مذہب کو تفرقہ و نفاق کا ہتھیار بنا دیا۔ قرآن کا یہی پیام تھا جو

امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنے افکار وخیالات کے ذریعے ملک وقوم کی جو خدمت انجام دیں وہ اسی تاریخ کا ایک روشن باب ہیں۔ انھوں نے ایک جید عالم، ایک عظیم خطیب، ایک زبردست صحافی، ایک عالی مرتبہ مجتہد، ایک بے بدل دانشور، ایک ماہر سیاست، منفرد مفسر قرآن، بلند مقام مفکر، فلسفی، دور بین صاحب فکر وفن، مدبر عظیم قومی رہ نما اور ایک جی نی ایس کی حیثیت سے ہندوستانی جنگ آزادی، قومی اتحاد، وطن پرستی، انسان دوستی اور ملکی تعمیر وترقی میں جو رول ادا کیا اس کی نظیر مشکل ہی سے کہیں اور ملے گی۔ اوائل عمر سے اپنی زندگی کے آخری لمحے تک وہ قومی جد وجہد اور ملک کے تعمیری کاموں میں پیش پیش رہے۔ اور اپنے مشن کی تکمیل کے لئے شب وروز مصروف رہ کر ایسی راہیں متعین کر گئے جو قوم کو منزل مقصود تک پہنچانے کے لئے روشنی کا مینار ثابت ہوئیں۔

مولانا آزاد کی داستان زندگی ہماری قومی زندگی کی داستان ہے جو ان کے افکار واذکار، خیالات وجذبات اور احساسات ونظریات کی آئنہ دار ہے۔

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردوں سے انسان نکلتے ہیں

آج کے پرفتن حالات میں ہماری ملت ایک ذہنی بحران، آپسی خلفشار

(۲) امن

(۳) نظم

(۴) قربانی اور اس کی استقامت

مسلمانوں سے میں خاص طور پر التجا کرونگا کہ اپنے اسلامی شرف کو یاد رکھیں اور آزمایش کی اس فیصلہ کن گھڑی میں اپنے تمام ہندوستانی بھائیوں سے آگے نکل جائیں اگر وہ پیچھے رہے تو ان کا چالیس کروڑ مسلمانان عالم کے لئے شرم و ذلت کا ایک عالمی دھبہ ہوگا۔

میں مسلمانوں سے خاص طور پر دو باتیں اور بھی کرونگا۔ ایک یہ کہ اپنے ہندو بھائیوں کے ساتھ پوری طرح متفق رہیں اور اگر ان میں سے کسی ایک بھائی یا کسی ایک جماعت سے کوئی نادانی کی بات بھی ہو جائے تو اس بخش دیں اور اپنی جانب سے کبھی کوئی بات ایسی نہ کریں، جس سے اس مبارک اتفاق کو صدمہ پہنچے۔ دوسری بات یہ ہے کہ مہاتما گاندھی جی پر پوری طرح اعتماد رکھیں اور جب تک وہ کوئی ایسی بات نہ چاہیں (اور وہ کبھی نہ جائیں گے) جو اسلام کے خلاف ہو اس وقت تک پوری سچائی اور مضبوطی کے ساتھ ان کے مشوروں پر کار بندر ہیں۔

و پیغامات میں داخل ہیں۔اور یہی صحیح معنوں میں آزاد کے مکتب فکر میں یہی اسلام کا پیغام امن و آشتی ہے۔

حوالہ جات:

۱-خلیق انجم'' مولانا ابوالکلام آزاد-شخصیت اور کارنامے،ص: ۲۲

۲- الہلال (جدید عکسی اشاعت) مولانا ابوالکلام آزادص:۱، ۱۹۸۱ءلاہور

۳-خلیق انجم'' مولانا ابو الکلام آزاد-شخصیت اور کارنامے، ص:۱۲،۱۹۸۶ء دہلی

۴-مولانا ابوالکلام آزادکا''پیغام'' ہفتہ وار(۱۹۲۱ء)مکمل فائل کی عکسی اشاعت،ص:۳۰، پٹنہ

۵- نثر ابو الکلام آزاد، مرتبہ مالک رام،ص ۶۹-۷۰،۱۹۹۲ء دہلی

۶-صبح امید،حصہ اول امام ہند مولانا ابوالکلام آزاد،ص:۲۱۳

۷-ماہنامہ الحرام،ص:۲۱۴،اپرایل ۱۹۵۸ءمیرٹھ

۸- نثر ابوالکلام آزاد،مرتبہ مالک رام،ص:۲۳۲

۹-قول فیصل، نثر ابو الکلام آزاد، مرتبہ مالک رام ،

اور ایک سخت ترین روحانی بحران سے دو چار ہے۔ کیا ہم مولانا آزاد کے افکار وخیالات کی روشنی میں کوئی کامیاب حل تلاش کر سکتے ہیں ہاں! ضرور حاصل کر سکتے ہیں۔ لیکن اس کے لئے ہمیں مولانا آزاد کے فکر ونظر، علم وعمل، اصول وضوابط اور حیات کے جملہ شعبوں سے متعلق ان کے عقائد پر نظر ڈالی ہوگی جوان کے یہاں کامل ایمان کا درجہ رکھتے ہیں۔ آزاد کی روشن خیالی، طبعیت کی جدت، غیر مقلدانہ رویہ اور اجتہاد سے رغبت رکھنے والا مزاج ہمیشہ یہ کہتا تھا کہ علماء کا طبقہ اپنے موجودہ حالات پر از سر نو نظر ڈالے، ہم وطن ہندوں اور دوسرے طبقوں کے ساتھ ملکر آزادی کی جنگ لڑنے کے لئے آزاد نے جن امور کو ایمان ویقین کے حد تک اپنے پیش نظر رکھا ان میں ہندو مسلم اتحاد، مشترکہ تہذیب اور متحدہ قومیت کے بنیادی اصولوں کی معنویت مخفی تھی۔

آزاد نے اپنے مقصد کے اظہار کے لئے اسلام اور (Nationalism)، وطنیت، اسلامیت، مذہب اور سیاست کے کسی بھی موضوع کو تشنہ تحقیق نہ چھوڑا۔ انھوں نے ''الہلال'' کے ذریعے اپنے ان معتقدات کی تشریح کرتے ہوئے بارہا اس پر زور دیا کہ اسلام اور Nationalism الگ الگ نہیں بلکہ یہ دونوں ایک ہیں۔ مسلمان کے لئے وطن کی خدمت اور تعمیر وترقی کی فکر اسلام کے احکامات

۹۹-۹۸،۱۹۶۰ءحیدرآباد

۲۲-ایضاً،ص ۹۹-۹۸

۲۳- نگارشات آزاد، مولانا ابو الکلام آزاد، ص: ۹۶-۹۴، ۱۹۸۸ءنئی دہلی

۲۴-خطبات آزاد،ابوالکلام آزاد،ص: ۴۷-۴۶، ۱۹۸۵ء،نئی دہلی

۲۵-نثرابوالکلام آزاد،مرتبہ مالک رام،ص ۲۳۴

۲۶-ام الکتاب مولانا آزاد،ص: ۱۱۰-۱۰۹، جون ۱۹۸۷ءدہلی

۲۷- انتخاب الہلال، مولانا ابوالکلام آزاد، ص ۳۰۶، جون ۱۹۸۷ء،نئی دہلی

۲۸-ایضاً،ص:۹۷

۲۹-ایضاً،ص:۱۲۷-۱۲۶

۳۰-ایضاً،ص:۱۳۳

۳۱-ایضاً،ص:۱۸۳-۱۸۲

۳۲-ایضاً،ص

۳۳-ایضاً،ص ۲۲۷-۲۲۶

۳۴-ایضاً،ص ۲۲۸

۳۵- بنیادی تصورات قرآن ، مرتبہ سید عبد اللطیف،

ص.۱۲۴-۱۲۳!

۱۰-ایضاً،ص:۱۱۷-۱۱۶

۱۱- مقالات ابوالکلام آزاد،ص۱۰۹-۱۰۸

۱۲- ایضاً،ص.۱۱۱-۱۱۰

۱۳-نثر ابوالکلام آزاد،مرتبہ مالک رام،ص ۲٦٦-۲٦۵

۱۴-خطبات آزاد،مولانا ابوالکلام آزاد،مرتبہ مالک رام،ص:
۲۴۸،

۱۵- مضامین ابوالکلام آزاد،جلد اول،مرتبہ سید سفارش حسین،
ص:۹۰

۱٦-ابوالکلام آزاد کا اسلوب نگارش،عبدالمغنی،ص:۳۸

۱۷-اسلام کا نظریہ جنگ،مرتبہ ابن الراعی،ص:۱۳۳-۱۳۰

۱۸- مقالات ابو الکلام آزاد، دار الاشاعت، کراچی، ص:
٦۴-٦۳

۱۹-''الہلال'' نمبر ۱۸، جلد ۵، چہار شنبہ ۲۸/ اکتوبر ۱۹۱۴ء،
ص:۸۴٦

۲۰-صبح امید یعنی مضامین ابوالکلام آزاد،مرتبہ خواجہ فیاض احمد،
ص:۸۷-۸٦

۲۱- بنیادی تصورات قرآن ، مرتبہ سید عبد اللطیف، ص.

مولانا آزاد کی نظروں میں
اسلام کا پیغام امن وآشتی

- فیاض احمد خان

اسلام کا مادہ سلم ہے جس کے معنی صلح وسلامتی کے ہیں جب کہ لفظ اسلام کے معنی اطاعت وفرمانبرداری کے ہیں، آزاد اسلام کی تعریف یوں کرتے ہیں:

> ''دین الٰہی کو اسی لئے''اسلام'' کے نام سے تعبیر کیا گیا جس کے معنی اطاعت کرنے کے ہیں یعنی ہر طرح کی نسبتوں اور گروہ بندیوں سے الگ ہو کر صرف اطاعت حق کی دعوت دی جائے۔''(۱)

اسلام کے ساتھ ہی ایک لفظ اور بھی ہے جس کے بغیر اسلام کی تکمیل اور قیام امن ممکن نہیں، وہ لفظ ''جہاد'' ہے جس کے بارے میں خود آزاد لکھتے ہیں:

ص:۹۶-۹۸، ۱۹۶۰ء حیدرآباد

۳۶-ایضاً، ص:۱۵۹-۱۵۷

۳۷-پیغام جمعہ ۱۶، دسمبر، ۱۹۲۱ء

کا بنیادی مقصد دنیا سے فتنہ وفساد، وقتل وغارت گری کا خاتمہ کرنا اور امن وآشتی کا قیام ہے۔ جہاد اور تشدد میں کیا فرق ہے خود آزاد کی زبانی ملاحظہ ہو:

''تم کو معلوم ہے کہ جج بھی قتل کرتا ہے اور ایک ڈاکو بھی۔ جج قتل کرتا ہے پھانسی کے تختہ پر ڈاکو کو قتل کرتا ہے، مظلوم انسانوں کو بستروں پر لیکن دنیا جج کی تعریف کرتی ہے اور ڈاکو پر لعنت کرتی ہے حالانکہ دونوں نے قتل انسان کا کیا ہے۔ لیکن ایک نے جو قتل کیا ہے زیادتی کے لئے اور دوسرے نے جو قتل کیا ہے وہ دفع تشدد کے لئے، خدا کے عدل کے قیام کے لئے . اس لئے تشدد کا اطلاق کرنا صحیح نہیں ہے۔'' (۳)

اس کی مزید وضاحت آزاد ''اسلام کا نظریۂ جنگ'' میں اس طرح کرتے ہیں:

''خلاصہ کلام یہ کہ جہاد اسلامی کا مقصد خون سے خون ہی کے دھبوں کو دھونا اور جنگ سے جنگ کا ہی خاتمہ کرنا تھا۔'' (۴)

اس خیال اور بون ہارڈی پروشیا کے جنگی مذہب کے اس اصول میں کہ

''اسلام کی حقیقت ہی جہاد ہے دونوں لازم اور ملزوم ہیں، اسلام سے اگر جہاد کو الگ کر دیا جائے تو وہ ایک لفظ ہوگا جس کے معنی نہیں۔ اسم ہوگا جس کا مسمی نہیں قسر محض ہوگا جس سے، مغز نکال لیا گیا ہے۔''(۲)

جہاد کیا ہے؟ اس کی تعریف خود حضور اقدسؐ کی زبانی ملاحظہ ہو۔ آپؐ نے فرمایا:

'' افضل الجهاد ان يجاهد الرجل نفسى هواه '' (بخاری) یعنی سب سے بڑا جہاد وہ ہے جو آدمی خود اپنے نفس اور خواہشات کے خلاف کرے۔ اسی طرح آخری حج کے موقع پر ایک شخص نے آپؐ سے پوچھا سب سے افضل جہاد کیا ہے؟ آپ ۔نے فرمایا:'' افضل الجهاد كلمة عدل عند سلطان جــابــر'' (صحاح ستہ) سب سے افضل جہاد ظالم حاکم کے سامنے کلمۂ حق کا اعلان کر دینا ہے۔

اسی لفظ ''جہاد'' کی وجہ سے آج ساری دنیا اسلام اور مسلمانوں کی دشمن ہوگئی ہے۔ محض غلط فہمی کی بنیاد پر '' جہاد'' کو تشدد اور مسلمانوں کو دہشت گرد قرار دیا جا رہا ہے جب کہ اسلامی ''جہاد''

عرف نفسه ،فقد عرف ربه'' اسی نظریہ کو آزاد یوں بیان کرتے ہیں:

''کوئی شخص کتنے ہی قبیح فعل کا مرتکب ہو میں یقین کے ساتھ پبلک میں برا کہنا پسند نہیں کرتا ہمیشہ ایسے موقعوں پر اپنا نفس سامنے آجاتا ہے۔ میں چونک اٹھتا ہوں کہ اگر برا کہنا ہی ہے تو اپنے نفس کو برا کیوں نہ کہوں''۔(٦)

اس طرح یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ جہاد اسلامی کا مقصد صرف دفع فتنہ ہے نہ کہ انتقام اور طاقت کا مظاہرہ جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے '' حتی لا تکون فتنة'' (انفال:٣٩)تم اس وقت تک جہاد کرو یہاں تک فتنہ باقی نہ رہے اور جب فتنہ وفساد ختم ہوجائے تو اس کے بعد قرآن سختی سے منع کرتا ہے ''والله لا یحب الفساد'' (بقرہ:١٥)اوراللہ تعالی فساد کو پسند نہیں کرتا ہے۔ '' والله لا یحب الظالمین''(آل عمران:١٤)اوراللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ جہاد کے اعلیٰ مقاصد پر بحث کرتے ہوئے آزاد لکھتے ہیں:

''اسلام نے جنگ کو ''جہاد'' کی وسیع اصطلاح کے ماتحت لاکر اس کے مقصد اور حقیقت کو اس کے نام سے ہی واضح کردیا ہے۔

جنگ ایک روحانی مسہل ہے جس کے بعد قوم صاف اور قوی ہوجاتی ہے کس قدر مشابہت ہے۔ طب یونانی میں مسہل اس دوا کو کہتے ہیں جو بدن کے اندر سے فاسد مواد کو نکال کر بدن کا تنقیہ کردے اس طرح اسلامی جہاد کا مقصد ہی انسان کو ذاتی زندگی سے لے کر خاندانی، سماجی، ملکی اور بین الاقوامی ہر سطح پر فتنہ وفساد کو ختم کر کے امن وآشتی کا قیام ہے اور اس کا آغاز انسان کے اپنے نفس سے ہوتا ہے جیسا کہ ابتدا میں اس کی تعریف سے واضح ہوا۔ اسی کو بالفاظ دیگر ہم تزکیۂ نفس سے تعبیر کرسکتے ہیں جیسا کہ مہاتما گاندھی کا کہنا ہے:

> ''ہر ذی حیات سے روحانی اتحاد کا احساس بغیر تزکیہ نفس کے ناممکن ہے جب تک نفس آلائشوں سے پاک نہ ہوجائے اہنسا کے قانون کے پابندی محض خیال خام ہے۔ جو شخص عفت سے محروم ہے اسے خدا کی معرفت کبھی حاصل نہیں ہوسکتی۔ تزکیہ نفس کے معنی ہی یہ ہیں کی زندگی کے ہر شعبہ میں عفت برتی جائے۔ پاک نفسی میں خدا نے بڑی تاثیر دی ہے اگر انسان اپنے نفس کا تزکیہ کرلے تو اس کا ماحول بھی آلائشوں سے پاک ہوجاتا ہے۔''(۵)

یعنی خدا کی معرفت کے لئے نفس کی معرفت لازمی ہے۔ '' مـــــن

کا اتباع کرنا چاہیئے ۔اس کو اپنے سماج کی ہر منزل پر اس کی ترقی
میں معاون ہونا چاہیے اسے عدل اور خیر کا اپنا رہنما بنانا چاہیے
تا کہ وہ تمام انسانیت کے لئے باعث رحمت ہو سکے۔''(۹)

بہر کیف . . . . کوئی کتنے ہی مخالفانہ نظریہ سے اسلام اور قرآن کا مطالعہ کرے اسلام کا تصور امن و آشتی اتنا واضح ہے کہ اس سے انکار ممکن نہیں چنانچہ اسلام کے ابتدائی دور میں جو افراد اور جماعتیں اسلام و پیغمبر اسلام کی مخالف تھیں ان کے تمام کام اول سے آخر تک ظلم وتشدد، قتل وخونریزی اور دغا وفریب پر مبنی رہے لیکن اس کے جواب میں پیغمبر اسلام اور ان کے رفقاء نے جو کچھ کیا ان کا ایک ایک فعل امن وآشتی، صبر وتحمل، عفو ودرگزر، الفت ومحبت اور حق پرستی و دیانت داری کا اعلیٰ نمونہ تھا۔ مظلومی میں صبر معاملے میں راست بازی، مقابلے میں عزم اور طاقت واختیار کی حالت میں عفو ودرگذر تاریخ انسانیت کے وہ نوادر ہیں جو ایک شخص کی زندگی اور نظریہ فکر وعمل میں شاید ہی مل سکیں ۔ دنیا میں کوئی مذہب ایسا نہیں ہے جس نے زندگی کا اتنا واضح نصب العین اور امن وانصاف کا ایسا جامع تصور دیا ہو۔ اسلام نے کوئی اصول، کوئی قانون، کوئی ضابطہ انسانوں پر تھوپا نہیں بلکہ ان کی فطرت کے عین مطابقت بنایا ہے۔ اس نے انفرادی زندگی سے لے کر اجتماعی، ملکی اور بین الاقوامی ہر سطح ہر قیام امن کا مکمل

یہی اعلیٰ مقاصد ہیں جس کے لئے اسلام نے ہر موقع پر جد وجہد ،کوشش اور سعی اور دوڑ دھوپ کی ترغیب دی ہے''۔(۷)

اسی سورہ فاتحہ کی تفسیر میں رحمت ومحبت پر بحث کرتے ہوئے آزاد لکھتے ہیں:

''اسلام نے انسانی رحمت وشفقت کی جو ذہنیت پیدا کرنی چاہی ہے وہ اس قدر وسیع ہے کہ بے زبان جانور بھی اس سے باہر نہیں ہیں۔ایک سے زیادہ حدیثیں اس مضمون کی موجود ہیں کہ اللہ کی رحمت رحم کرنے والوں کے لئے ہے اگر چہ یہ رحم ایک چڑیا کے لئے ہی کیوں نہ ہو ''من رحم ولو ذبیحة عصفور رحمه الله یوم القیامة''(۸)

سور فاتحہ کی تفسیر میں خدا کی صفت رحمان ورحیم پر طویل بحث کرتے ہوئے آزاد نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ قرآن اول سے آخر تک رحمتِ الٰہی کا پیام ہے اور خدا کے بندوں کو بھی اس صفت کا حامل ہونا چاہیے، بقول سید عابد حسین:

''مولانا سورہ فاتحہ کی تفسیر بیان کرنے کے مرحلہ میں خدا کے رحمان اور رحیم ہونے سے یہ نتیجہ نکالا کہ انسان کو بھی اسی صفت

وعملو الصالحات وتواصوا بالحق و تواصوا

بالصبر'' (العصر)

''ترجمہ: زمانہ کی قسم بلاشبہ انسان بڑے خسارے میں ہے سوائے

ان لوگوں کے جو اللہ پر ایمان لائے اور نیک کام کئے اور ایک

دوسرے کو حق کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی۔'

یہی چار ارکان ہیں جن کی تکمیل کا مطالبہ انفرادی طور پر قرآن ہر انسان سے کرتا ہے۔ اس نے سب سے پہلے ایمان باللہ پر زور دیا یعنی ہر انسان کے دل میں خوف خدا موجود ہونا چاہیے چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے:'' ان نعبد اللہ کانئك تراہ فان لم تکن راہ فانی یراك'' (صحیحین) تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو، اگر چہ تم اس کو نہیں دیکھ رہے ہو لیکن بلاشبہ وہ تو تم کو دیکھ رہا ہے۔ اس عقیدۂ توحید کو قرآن ''صراط مستقیم'' سے تعبیر کرتا ہے '' ان اللہ ھو ربی وربکم فاعبدوہ ھذا صراط مستقیم'' (زخرف:۶۴) بلاشبہہ وہی میرا رب ہے اور تمہارا بھی اس لئے اس کی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔

عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ نے اپنی انگلی سے ایک

ضابطہ ہمیں بخشا ہے۔ آیئے اس ترتیب سے ہم ان کا جائزہ لیتے ہیں:

(۱) انفرادی امن

(۲) اجتماعی امن

(۳) ملکی امن

(۴) بین الاقوامی امن

۱۔ انفرادی امن:

دنیا میں انسانوں کی حیثیت بنیاد کی اینٹ کی مانند ہے جب تک بنیاد کی ہر اینٹ پختہ اور اپنی جگہ درست نہ ہوگی کوئی تعمیر ممکن نہ ہوگی۔ بقول آزاد:

> ''قوم افراد سے مرکب ہے اور افراد کی قومی ہستی کے قیام وظہور کے لئے ضروری ہے کہ ایک جماعتی سلک میں تمام افراد منسلک ہوجائیں اور تفرقہ کی جگہ وحدت واتحاد پر فرد وقوم کی شیرازہ بندی کی جائے''۔(۱۰)

انفرادی امن کی بنیادی عوامل کو قرآن نے مختصراً یوں بیان کیا ہے:

''والعصر ان الانسان لفی الخسر، الا الذین آمنو

الـــدیـــن'' (بقرہ:۲۵۶) دین میں کوئی جبر نہیں ہے۔ چنانچہ خدا نے نبی کو بھی ہدایت دی کہ '' لیــس عـلیك هدیهم''(بقرہ:۲۷۲) یعنی اے پیغمبر! ان کو سیدھی راہ پر چلانا تمہارا کام نہیں بلکہ تمہارا کام صرف راہ بتا دینا ہے البتہ بحیثیت انسان سب برابر ہیں خواہ وہ کسی بھی دین کے ماننے والے ہوں، ہر شخص اپنے اپنے دین وعقیدہ کے ساتھ مل جل کر امن وآشتی کے ساتھ رہے جیسا کہ قرآن کہتا ہے '' لـکـم دیـنـکم ولی دینی'' (کافرون:۴) یعنی تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور ہمارے لئے ہمارا دین۔ ان مذہبی تنازعات کو حل کرنے کے لئے آزاد نے '' وحدت ادیان'' کا نظریہ پیش کیا جس پر ترجمان القرآن میں تفصیلی بحث کی ہے اس کی ایک جھلک ملاحظہ ہو:

> ''بس اگر کوئی صورت دفع نزاع کی ہوسکتی ہے تو وہ وہی ہے جس کی دعوت لے کر قرآن نمودار ہوا ہے۔ تمام پیروان مذاہب سچائی سے منحرف ہو گئے ہیں کیونکہ انھوں نے دین کی حقیقت اور وحدت ضائع کردی ہے اور پنی گمراہیوں کی الگ الگ ٹولیاں بنالی ہیں اگر ان گمراہیوں سے لوگ باز آجائیں اور اپنے اپنے مذہب کی حقیقی تعلیم پر کاربند ہوجائیں تو مذاہب کی تمام نزاعات ختم ہوجائیں گی، ہر گروہ دیکھ لے گا کہ اس کی راہ بھی اصلاً وہی

سیدھی لکیر کھینچی اور فرمایا یوں سمجھو کہ یہ اللہ کا ٹھہرایا ہوا راستہ ہے بالکل سیدھا اس کے بعد اس لکیر کے دونوں طرف بہت سی ترچھی لکیریں کھینچی دیں اور فرمایا یہ طرح طرح کے راستے ہیں جو بنائے گئے ہیں ان میں کوئی راستہ نہیں جس کی طرف بلانے کے لئے شیطان موجود نہ ہو پھر یہ آیت پڑھی '' وان ھذا صراطی مستقیما'' چنانچہ سورہ فاتحہ میں خدا نے بندوں کو جو سب سے پہلی دعا بتائی وہ بھی یہی تھی'' اھدنا الصراط المستقیم'' (فاتحہ:۵) اس سورہ کی تفسیر کا خلاصہ کرتے ہوئے آزاد لکھتے ہیں:

> ''بہر حال قرآن کا پیرو وہ ہے جو دین کی سیدھی راہ پر چلنے والا ہے۔ وہ راہ نہیں جو کسی خاص گروہ، کسی خاص نسل، کسی خاص قوم، کسی خاص عہد کی راہ ہے بلکہ خدا کی عالمگیر سچائی کی راہ ہے جو ہر جگہ اور ہر عہد میں نمایاں ہوئی ہے اور ہر طرح کے جغرافیائی اور جماعتی حد بندیوں کے امتیاز سے پاک ہے''۔(۱۱)

دنیا میں مختلف قوموں اور نسلوں کے مابین تنازعات کی ایک بنیادی وجہ مذہبی گروہ بندی رہی ہے۔ قرآن نے دنیا کی امن وآشتی کے لئے مذہبی گروہ بندیوں کو یکسر ختم کرتے ہوئے ساری دنیا کو اسلام کی دعوت دی لیکن ساتھ ہی ہر فرد و ہر قوم کو ماننے اور نہ ماننے کا اختیار بھی دیا کوئی جبر نہیں کیا '' لا اکراہ فی

دوسرا حکم '' و عملوا الصالحت'' یعنی عمل صالح کے لئے ہے جس کی تفصیل سورۂ بقرہ میں اس طرح بیان کی گئی ہے:

'' لیس البر ان تولوا وجوهكم قبل المشرق والمغرب الخ'' (بقرہ:۱۷۷)

'' ترجمہ: نیکی اور بھلائی یہ نہیں ہے کہ تم نے (عبادت کے وقت) اپنا منہ مشرق یا مغرب کی طرف کرلیا بلکہ نیکی کی راہ تو ان لوگوں کی راہ ہے جو اللہ پر، یوم آخرت پر، فرشتوں پر، آسمانی کتابوں پر اور تمام نبیوں پر ایمان لاتے ہیں۔ خدا کی محبت کی راہ میں اپنا مال رشتے داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سائلوں کو دیتے ہیں اور غلاموں کو آزاد کرانے کے لئے خرچ کرتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکوۃ ادا کرتے ہیں اپنی بات کے پکے ہوتے ہیں، جب قول وقرار کرلیتے ہیں تو اسے پورا کرکے رہتے ہیں، تنگی ومصیبت کی گھڑی ہو یا خوف وہراس کا وقت ہر حال میں صبر کرنیوالے ہوتے ہیں ایسے لوگو ہیں جو نیکی کی راہ میں سچے ہیں اور یہی متقی انسان ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں آزاد لکھتے ہیں:

ہے جو اور تمام گروہوں کی ہے۔قرآن کہتا ہے تمام مذاہب کی
یہی مشترکہ اور متفقہ حقیقت ''الدین'' ہے یعنی نوع انسان کے
لئے حقیقی دین اور اس کو وہ ''الاسلام'' کے نام سے پکارتا ہے
. یہی ایک رشتہ ہے جو انسانیت کا بچھڑا ہوا گھرانا پھر سے
آباد کرسکتا ہے''۔(۱۲)

خالق کائنات پر ایمان کا ایک مبہم تصور عام تشدد کے قائل واہنسا کے
پجاری مہاتما گاندھی کے یہاں بھی ملتا ہے جیسا کہ وہ کہتے ہیں:

''جس کی میں عبادت کرتا ہوں اور پریشان حال لوگوں سے بھی
کہتا ہوں کہ رام نام لو . لیکن اس رام کو دشرتھ کا بیٹا یا سیتا
کے شوہر کی شکل میں نہیں مانتا کیونکہ میرا رام جسم رکھنے والا رام
نہیں ہے جو نہ کسی سے پیدا ہوا بلکہ اس نے دنیا کی تخلیق کی ہے
دنیا کو پیدا کیا جو دنیا کا مالک ہے اسے یاد رکھنا چاہیئے''۔(۱۳)

خلاصۂ کلام یہ کہ آیات واحادیث، آزاد کے نظریۂ وحدتِ ادیان اور
گاندھی کے فلسفۂ رام سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دنیا میں عدم تشدد اور امن وآشتی
کے لئے ہر شخص کا مذہب کی راہ پر ایمان ویقین کے ساتھ گامزن ہونا ضروری
ہے۔

تو خدا کے کان سے سنے اور جب بولے تو خدا کی آواز اس کے
گلے سے نکلے تو یہ ہے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا مدعا اور
مقصد اور نتیجہ''۔(۱۵)

غور کیجئے! ایسی صفات کے حامل انسان کا رویہ دوسروں کے ساتھ کیسا
ہوگا، دنیا میں امن وآشتی کے قیام ودوام کے لئے ہر انسان کو انہی خوبیوں کا حامل
ہونا چاہیے تب ہی یہ دنیا امن کا گہوارہ ہوسکتی ہے چنانچہ آزاد لکھتے ہیں:

''عزیزو! میرے پاس کوئی نیا نسخہ نہیں ہے چودہ سو برس پہلے کا
پرانا نسخہ ہے وہ نسخہ جس کو کائنات انسانی کا سب سے بڑا محسن لایا
تھا اور وہ نسخہ ہے قرآن کا۔ یہ منڈی کی چیز نہیں کہ تمہیں خرید کر
لا دوں یہ تو دل کی دکان سے اعمال صالحہ کی نقدی پر دستیاب ہو
سکتی ہے''۔(۱۶)

انفرادی امن کا تیسرا رکن ''وتواصوا بالحق'' یعنی ایک دوسرے کو حق کی
وصیت کرنا اور حق کے لئے قربانی دینا ہے۔ اس کی تشریح قرآن اس طرح کرتا
ہے:

'' یا ایها الذین آمنو کونوا قوامین لله الخ (مائده:۸)

>''دینِ حق کی اس اصل عظیم کا اعلان کہ سعادت ونجات کی راہ یہ نہیں ہے کہ عبادت کی خاص شکل، یا کھانے پینے کی کوئی خاص پابندی، یا اسی طرح کی کوئی دوسری بات اختیار کرلی جائے بلکہ وہ خدا پرستی اور نیک عملی کی زندگی سے حاصل ہوتی ہے اور اصل شئے دل کی پاکیزگی وعمل کی نیکی ہے شریعت کے ظاہری احکام ورسوم بھی اسی لئے ہیں تا کہ یہ مقصود حاصل ہو''۔(۱۴)

مذکورہ آیات میں قرآن نے صالح انسان کی ساری خوبیاں بتادی ہیں اس کے بعد دوسری جگہ ان کا فریضہ '' امر بالمعروف ونھی عن المنکر'' قرار دیا جس کے بارے میں آزاد لکھتے ہیں:

>''حاصل سخن یہ ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرسکتا ہے جو ایمان باللہ میں راسخ اور مستقیم ہو اور یہ جب ہوسکتا ہے کہ محبت الٰہی کی راہ میں مستقیم ہوکر سب کو خدا کے لئے اختیار کرے اور سب کو خدا کے لئے چھوڑ دے۔ خود اس کی کوئی ذاتی محبت اور عداوت نہ ہو نہ اپنی غرض کے لئے دوست بنے نہ اپنی غرض کے لئے دشمن۔ وہ ہر شئے کو خدا کی آنکھ سے پیار کرے اور اسی کی آنکھ سے دشمن کو دیکھے۔ اس کا کوئی وجود اس کی کوئی زندگی اس کی کوئی صدا نہ ہو جب چلے تو خدا کے پاوں سے چلے اور جب سنے

قانون کے مطابق سزا دیتی تھیں اور اونچے درجہ کے لوگوں کو چھوڑ دیتی تھیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس قبضے میں میری جان ہے اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی ایسا کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ ڈالتا''۔ (بخاری)

اسی طرح ''حق'' میں ہی ''حقوق العباد'' بھی شامل ہیں اور قرآن بار بار تاکید کرتا ہے کہ ہر ایک کا حق ادا کرو لیکن اس پر بحث ہم اجتماعی امن میں آگے کریں گے۔

انفرادی امن کا آخری رکن ''وتواصوا بالصبر'' یعنی صبر کی وصیت و تلقین ہے۔ صبر کی تعریف مولانا آزاد کے لفظوں میں ملاحظہ ہو.

> ''صبر کے معنی ہیں برداشت کے، جھیلنے کے عمل کے جو تم مقصد کی راہ میں اپنے محبوب اور پیارے مقصد کے لئے اٹھاؤ اور اس میں طرح طرح کی مصیبتیں آئیں طرح طرح کی ڈروانی صورتیں آئیں زنجیریں اور ہتھکڑیاں آئیں بلکہ ممکن ہے کہ تمہارے سامنے تختہ آئے اور اس پر ایک پھندا جھول رہا ہو یہ سب تمہارے سامنے آسکتا ہے لیکن اگر تم حق کے پرستار ہو تو تمہارا فرض ہونا چاہیئے کہ تمہارے اندر صبر ہو، تمہارے اندر برداشت کی وہ اٹل طاقت، برداشت کا پہاڑ موجود ہو جس پر دنیا کی کوئی

ترجمہ اے ایمان والو! خدا کی سچائی کے لئے مضبوطی سے قائم رہنے والے اور انصاف کے لئے گواہی دینے والے بنو۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے آزاد لکھتے ہیں:

''اس آیت میں فرمایا دین کی تکمیل اور نعمت کا اتمام چاہتا ہے کہ اپنی سیرت (کیرکٹر) میں سرتا سر حق وصداقت کا پیکر بن جاؤ تمہیں ''قوامون للہ'' اور ''شہداء بالقسط'' ہونا چاہئے اور حق وانصاف کے لئے شہادت دینے والے، اپنا ہو یا پرایا، موافق ہو یا مخالف، دوست ہو یا دشمن، جس کے ساتھ معاملہ کرو انصاف کے ساتھ کرو اور جس کے حق میں کوئی بات کہو انصاف کی کہو''۔(۱۷)

یہی حق پرستی اسلام کا طرۂ امتیاز ہے۔ اسلام میں سزا و جزا کا قانون سب کے لئے یکساں ہے چنانچہ نبی کریم کے زمانہ میں ہی قبیلہ قریش کی فاطمہ نامی ایک عورت نے چوری کی۔ حضرت اسامہ نے آپ سے اسے معاف کر دینے کی درخواست کی تو آپؐ نے فرمایا ''اے اسامہ! اللہ کی مقرر کردہ سزا میں شفارش کر کے مداخلت کرتے ہو؟ خبردار آئندہ ایسی غلطی نہ کرنا پھر آپؐ نے فرمایا! تم سے پہلے جو امتیں گذری ہیں وہ اسی لئے تباہ ہوئیں کہ وہ کم درجہ کے لوگوں کو تو

''الہلال'' و''البلاغ'' جاری کیا جس کا مقصد نوجوانوں کے اندر اسلامی اسپرٹ پیدا کرنا تھا۔ اسی زمانہ میں آزاد نے ''حزب اللہ'' نامی تنظیم بنائی۔ اس جماعت کا جونصب العین آزاد نے تیار کیا تھا اس کی اولین تین شرائط ملاحظہ ہوں:

۱-امر بالمعروف ونہی عن المنکر یعنی ہمیشہ نیکی کا حکم دین گے برائی کو روکیں گے۔

۲-توصیہ صبر یعنی صبر کی وصیت کریں گے۔

۳-کسی مسلمان کی طرف سے اپنے دل میں کینہ وعداوت نہ رکھیں اگر چہ وہ ان کا کیسا ہی دشمن ہو۔ تمام مسلمانوں سے صلح ومحبت کا برتاؤ کریں گے اور اپنی جانب سے کسی مسلمان کے خلاف قدم نہ آٹھائیں، دوسرا اٹھائے تو جہاں تک بھی امکان میں ہو بخش دیں۔

الہلال کی دعوت اور حزب اللہ کے نقش قدم پر ہی بعد میں بقول مالک رام(۲۱) وملک زادہ منظور احمد (۲۲) جماعت اسلامی وتبلیغی جماعت نے اپنی اپنی عمارت کھڑی کی۔ شاید یہی وجہ ہے کی رشید احمد صدیقی آزاد کو بیسویں صدی کا سرسید اور ہندوستانی مسلمانوں میں رینائسنس (Renaissance) اور رفارمیشن

شکوت، تاج وتخت فتح یاب نہ ہو سکے''۔(۱۸)

صبر کی راہ بڑی مشکل اور کانٹوں بھری راہ ہے اس راہ میں انسان کو اپنے نفس اور غم وغصہ پر قابو رکھنا ہوتا ہے۔ درحقیقت یہی ایک مومن کی شان ہے، ایمان، عمل صالح اور صبر جیسی خصوصیات کو ہی آزاد اصل قوت مانتے ہیں۔

''اصل شئے قوموں کی معنوی قوت ہے جو اس کے اخلاق اس کے کیریکٹر اس کے اتحاد اور دراصل ہماری اصطلاح میں خشیۂ الٰہی اور اعمال حسنہ سے پیدا ہوتی ہے''۔(۱۹)

اگر انسانی اخلاق وکردار مذکورہ اصول پر قائم رہیں تو کسی قانون اور عدالت کی ضرورت ہی نہ پیش آئے بقول سید سلیمان ندوی:

''اگر انسانی جماعتیں اپنے اخلاق وفرائض کو پوری طرح خود انجام دیں تو حکومت کے جبری قوانین کی کوئی ضرورت ہی نہ ہو اسی لئے بہترین مذہب وہ ہے جس کا اخلاقی دباؤ اپنے ماننے والوں پر اتنا ہو کہ وہ ان کے قدم کو سیدھے راستے سے بہکنے نہ دے''۔(۲۰)

مسلمانوں کے اندر یہی اعلیٰ اخلاقی معیار پیدا کرنے کے لئے آزاد نے

اس کے بعد قرآن اجتماعیت کا اصول اور نصب العین بتاتا ہے:

'' واصلحوا ذات بینکم '' (انفال:۱) اس کی تفسیر آزاد یوں کرتے ہیں:

'' امن کی حالت ہو یا لڑائی کی لیکن مسلمانوں کو باہم دگر صلح وصفائی کے ساتھ رہنا چاہیے، ہر حال میں تقوی اور اطاعت'' ڈسپلن'' ان کا نصب العین ہو کہ بغیر اس کے کامیابی ممکن نہیں''۔(۲۵)

اس کے بعد قرآن مزید یہ کہتا ہے کہ '' واتقوا فتنة لا تصیبن الخ'' (انفال:۲۵) اس آیت کی تفسیر میں آزاد لکھتے ہیں:

'' پچھلی آیات میں انفرادی زندگی کے خطرات سے متنبہ کیا تھا اب آیت ۲۵ میں اجتماعی خطرات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ان فتنوں سے بچو جنہیں سوسائٹی کا کوئی ایک فرد یا جماعت برپا کر دیتی ہے لیکن جب ان کی آگ بھڑک اٹھتی ہے تو صرف انہیں کو نہیں جلاتی جنہوں نے سلگائی تھی، سبھی لپیٹ میں آجاتے ہیں اور اس لئے آجاتے ہیں کہ کیوں آگ لگانے والے کا ہاتھ نہیں پکڑا؟ کیوں بروقت بجھانے کی کوشش نہیں کی؟''(۲۶)

(Reformation) کا قائد اعظم قرار دیتے ہیں۔(۲۳)

اجتماعی امن:

انفرادی امن کے بعد اسلام نے اجتماعی امن پر زور دیا اور کہا کہ ''انما المومنون اخوۃ'' (حجرات ۱۰) تمام مومن بھائی بھائی ہیں جس کا تقاضہ یہ ہے کہ سب کو ایک ہونا چاہیے، چنانچہ قرآن کہتا ہے ''ان ھذہ امتکم امۃ واحدۃ'' (مومنون: ۵۲) ۔ بے شک یہ تمہاری امت ایک امت ہے اس کے بعد مزید تاکید کے ساتھ فرمایا: ''واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا'' (آل عمران: ۱۰۳) اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں تفرقہ مت پیدا کرو یہ ساری باتیں کیوں ضروری ہیں اس لئے کہ:

> ''نظم سب سے بڑی شرط ہے اور وہ آخری بھی ہے اور پہلی بھی۔ کائنات کا پورا کارخانہ اس کی طاقت پر چل رہا ہے۔ مقصود اس سے یہ ہے کہ عمل کا تمام حلقہ ایک رشتہ میں منسلک ہو جائے کوئی کڑی اس سے باہر نہ جانے پائے جو راہ قرار دی جائے سب اسی پر گامزن اور سارا حلقہ اسی انتظام اور یکسانیت کے ساتھ کام کرے گویا سب کے دل اور جذبات ایک ہی سانچے میں ڈھل گئے ہیں۔''(۲۴)

تول میں کمی ، ذخیرہ اندوزی، حتیٰ کہ رشوت خوری سے بھی قرآن صاف صاف منع کرتا ہے تاکہ معاشرہ میں اخوت و بھائی چارگی ، امن وآشتی کا قیام ہو۔ طوالت سے بچنے کے لئے ہم نے آیات واحادیث کو قلم انداز کر دیا ہے۔

ملکی امن:

قرآن صاف کہتا ہے کہ '' یا ایھا الناس انا خلقناکم الخ''
(حجرات:۱۳)

' ترجمہ: اے انسانو! یقیناً ہم نے تمہیں ایک نر و مادہ سے پیدا کیا اور تمہاری شاخیں اور قبائل بنا دیئے تاکہ تم باہم تعارف پیدا کرسکو جب کہ اس سے ماقبل کی آیت میں فرمایا: '' ولا یسخر قوم من قوم'' (حجرات ۱۱) اور ایک قوم دوسرے قوم کا مذاق نہ اڑائے۔ اس کے بعد سورہ ممتحنہ میں صاف طور سے کہہ دیا '' لا ینھاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم الخ''
(ممتحنہ.۸)

'' ترجمہ: خدا تمہیں اس بات سے نہیں روکتا کہ ان غیر مسلموں کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور انصاف کے ساتھ پیش آؤ جنہوں نے دین کے بارے میں تم سے لڑائی نہیں کی اور تمہیں تمہارے

اجتماعی امن کے قیام و بقا کے لئے حقوق العباد کی ادائیگی ناگزیر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے ماں، باپ، بھائی، بہن، بیوی، بچے، حتیٰ کہ پڑوسیوں تک کے حقوق معین کر دئے ہیں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو سورہ نساء آیت ۳۶۔ اس کے بعد معاشرتی زندگی کے آداب بھی بتاتا ہے چنانچہ وہ کہتا ہے: ''یا ایھا الذین امنو لا تدخلوا بیوتا الخ'' (نور:۲۷-۲۸)

> ترجمہ: اے ایمان والو! اپنے گھر کے علاوہ دوسرے گھروں میں اجازت لئے بغیر اور سلام کئے بغیر داخل مت ہو یہی تمہارے لئے بہتر ہے تاکہ تم نصیحت پاؤ اگر تم ان گھروں میں کسی کو نہ پاؤ تو بھی مالکوں کی اجازت کے بغیر داخل مت ہو اور اگر تم سے کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو واپس چلے جاؤ یہی تمہارے حق میں پاکیزہ ہے اور اللہ تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے۔

دنیا میں کوئی مذہب ایسا نہیں جو اپنے ماننے والوں پر اتنی اخلاقی پابندیاں عائد کرتا ہو کہ لوگ اپنے گھروں کو بھی کھلا چھوڑ کر گھوم سکیں نہ چوری کا خوف ہو نہ جاسوسی کا۔ معاشرہ میں اتنا تحفظ صرف اسلام دیتا ہے۔

اس کے علاوہ دیگر معاشرتی برائیوں جیسے سود خوری، جوا، شراب، ناپ

ماہنامہ ''معارف'' اعظم گڑھ سے مئی - جون ۱۹۱۹ء کی اشاعت میں شائع ہوا اس کے بعد کتابی شکل میں۔ اس مضمون کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''مسجدوں کا احترام یہ ہے کہ اس میں انسانوں کی بھلائی کے لئے انسانوں کا اجتماع ہو۔ اسلام نوع انسانی کی عظمت و احترام کے لئے آیا نہ کہ تذلیل و تحقیر کے لئے۔ پس وہ کسی انسان کو بہ حیثیت انسان نجس قرار نہیں دیتا جس کی چھوت سے مٹی اور اینٹ ناپاک ہو جائے۔ اسلام کی دینی عمارت صرف مسجد ہے اور کوئی نہیں۔ پس اگر اسلام غیروں کو قبول کرنا چاہتا ہے تو مسجد میں قبول کرنا پڑے گا۔ آج اگر ہمارے ہندو بھائی خود اپنی محبت اور پیار سے ہماری مسجدوں میں آتے ہیں تو وہ یہ چیز ہے جس کے خود ہم کو آرزو کرنی تھی او جس کو اول دن سے شروع ہو جانا چاہیے تھا''۔(۲۹)

ملک کی آزادی، قیام امن اور بقاء باہم کے لئے آزاد نے مذہب کا استعمال کیا اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ مذہب ہی ایک ایسا ذریعہ ہے جو قوم کے منتشر شیرازے کو متحد کر سکتا ہے۔ بقول اے۔ بی۔ راجپوت:

> ''ابوالکلام آزاد جانتے تھے کہ مذہب کا لوگوں کے ذہنوں پر کتنا

گھروں سے نہیں نکالا۔"

ہندوستان جیسے کثیر مذہبی ملک کی امن وسلامتی کو پورا ضابطہ قرآن نے مذکورہ تین آیات میں بتادیا۔قرآن کی آیات اور قریش کے ساتھ نبیؐ کے معاہدے کو بطور دلیل پیش کرتے ہوئے آزاد نے ہندو مسلم اتحاد کا نعرہ دیا:

> "اگر میں نے اپنی اپیل میں کہہ دیا کہ ہندوستان کے مسلمان اپنا بہترین فرض اس وقت انجام دیں گے جب ہندوؤں کے ساتھ ایک ہوجائیں گےتو یہ وہ لفظ ہے جو اللہ کے رسولؐ نے اس وقت لکھوایا تھا جب ہم سب مل کر قریش کے مقابل ایک نیشن بن جاتا چاہتے تھے"۔(۲۷)

آزاد ملک کی امن وآشتی کے لئے مذہبی رواداری اور ہندومسلم اتحاد کے ساتھ ہی مسلمانوں کی جدوجہد آزادی کو فرض دینی اور جہاد فی سبیل اللہ قرار دیتے تھے۔(۲۸)حتی کہ مسجدوں کے دروازے ہندوؤں کے لئے کھول دئے چنانچہ جب وہ رانچی میں نظر بند تھے اسی دوران جامع مسجد میں سوامی شردھانند کے داخلہ اور تقریر پر اعتراض کرتے ہوئے مسلمانوں نے اسے خلافِ شریعت فعل قرار دیا۔آزاد نے فوراً قرآن وحدیث کی روشنی میں ایک مضمون لکھا جو پہلے

کے جدا جدا ہو جانے کی غرض وغایت بھی بتادی جس کا ذکر ہم ملکی امن میں کر چکے ہیں اسی روشنی میں امن عالم کی بات کرتے ہوئے آزاد نے کہا تھا:

''مسلمانوں کا نصب العین خدمتِ عالم ہے۔ وہ انسانیت کے خادم ہیں۔ ان کے لئے خدا کی زمین کا ہر ٹکڑا مقدس اور اس کے بندوں کا ہر گروہ محترم ہے''۔ (۳۲)

اسلام انسانوں کی جغرافیائی، نسلی اور مذہبی بنیادوں پر تفریق کی نفی کرتا ہے اور آفاقی انسانیت پر زور دیتا ہے اسی کو آزاد اس طرح سمجھاتے ہیں:

''پانی پر چھڑی رکھ دینے سے ایسا معلوم ہوسکتا ہے کہ دو حصوں میں تقسیم ہو گیا ہے لیکن پانی جوں کا توں رہتا ہے چھڑی ہٹتے ہی ظاہری تقسیم بھی غائب ہو جاتی ہے''۔ (۳۳)

بین الاقوامی امن کے لئے قرآن نے واضح ہدایت دی ہے جس میں اس نے ایک دوسرے کا مذاق آڑانے، ایک دوسرے کی جاسوسی کرنے سے سختی سے منع کیا ہے۔ (حجرات ۱۱-۱۲) ساتھ ہی یہ ہدایت بھی دی کہ اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو بغیر تصدیق کئے کوئی کارروائی مت کرو کہ بعد میں تمہیں پچھتانا پڑے (حجرات:۶) قرآن کے اسی اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے

زبردست قابو ہوتا ہے اس لئے انھوں نے ایک خالص سیاسی
تحریک کو مذہبی جھلک دے دی''۔(۳۰)

آزاد ہندوستان میں امن وآشتی کا جوخواب آزاد نے دیکھا تھا وہ آج
تک شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا۔اس کا اندازہ شاید آزاد کوبھی تھا تبھی تو انھوں نے کنور
مہندی سنگھ بیدی سے ایک ملاقات میں کہا تھا:

''ہم آزاد بھی ہو گئے لیکن آزادی کو برقرار رکھنے کے لیے اب
محنت وایثار، رواداری اور امن وآشتی کی ضرورت ہے۔آزادی
ملی ہے تو آزادی کی کچھ ذمہ داریاں بھی ساتھ لائی ہے۔جس
سے اگر ہم عہدہ برآ نہ ہوسکے تو غلامی سے بدتر حالات رونما
ہوجائیں گے''۔(۳۱)

بین الاقوامی امن:

قرآن واضح لفظوں میں کہتا ہے کہ ''کان الناس امة
واحدة۔'' (بقرہ:۲۱۳) تمام انسان ایک امت ہیں اور حدیث میں بھی آتا ہے
کہ''تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے (بخاری،مسلم،ابوداؤد)
اس طرح وحدت انسانی کی نشو ونما ثابت کرکے قرآن نے مختلف اقوام وقبائل

کہا ہے کہ جس قوم سے تمہارا معاہدہ ہو چکا ہے اس کے خلاف جنگ میں تم اپنے دین کے نام پر بھی کوئی مدد نہیں دے سکتے۔ یہ ایفاء عہد کی وہ بلند چوٹی ہے جسے سر کرنا تو دور کی بات ہے نظر آٹھا کر دیکھنا بھی کسی قوم و ملک کے لئے آسان نہیں لیکن اسلام مسلمانوں کو اسی بلند چوٹی پر دیکھنا چاہتا ہے تا کہ ساری دنیا میں اخوت و بھائی چارگی اور امن وآشتی کا قیام ہو سکے۔

بین الاقوامی سطح پر قیام امن کی غرض سے ہی اقوام متحدہ اور یونیسکو جیسے ادارے قایم ہوئے لیکن یہ بھی قومی و نسلی عصبیتوں کا شکار ہو کر رہ گئے۔ بقول مولانا مودودی:

> ''یورپ نے اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے مجلس اقوام بنائی تھی مگر بہت جلد ہی وہ سفید رنگ والی قوموں کی مجلس بن کر رہ گئی اور اس نے چند طاقتور سلطنتوں کے ہاتھ میں کھلونا بن کر کمزور قوموں کے ساتھ بے انصافی شروع کر دی''۔(۳۶)

بعینہ یہی خیال آزاد کا بھی تھا چنانچہ جون ۱۹۵۱ء میں پیرس میں ''یونیسکو کا نصب العین'' پر تقریر کرتے ہوئے مولانا آزاد کہتے ہیں:

> ''گذشتہ دو سال سے میرے تاثرات یہ ہیں کہ یونیسکو سے مجھے

آزاد کہتے ہیں:

''یہ عام انسانی تجربہ ہے کہ دوستی کے بطن سے دوستی اور بے اعتمادی کے بطن سے بے اعتمادی جنم لیتی ہے''۔(۳۴)

شاید اسی انسان دوستی کی بقا کے لئے آزاد نے قیام پاکستان کے بعد کہا تھا:

''ہندوستان اور پاکستان کا مفاد اسی میں ہے کہ وہ دوستانہ روابط پیدا کریں اور اشتراک عمل سے کام لیں اس کے علاوہ اگر دوسرے راستے اختیار کئے گئے تو وہ اور زیادہ پریشانی کا سبب بنیں گے۔''(۳۵)

اسلام ایک دوسرے سے دوستانہ ماحول پیدا کرنے کے ساتھ ہی قیام امن کے لئے مختلف ممالک اور اقوام میں معاہدہ کا حکم دیتا ہے جیسا کہ سورہ نحل میں واضح طور سے تاکید کے ساتھ فرمایا ہے (ملاحظہ ہو نحل (۹۰-۹۱) اور معاہدہ ہو جانے کے بعد قرآن سختی سے اس پر کاربند رہنے کا بھی مطالبہ کرتا ہے حتی کہ اپنے مذہب وقوم کی خاطر بھی عہد شکنی کو غلط قرار دیتا ہے:'' وان استنصروا کم فی الدین الخ'' (انفال:۷۲) اس آیت میں قرآن نے واضح طور سے

کی لڑائی'' لڑ رہے ہیں جب کہ درحقیقت وہ ''حق سے لڑائی'' لڑے رہے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ تمام ممالک اپنے ضمیر کی عدالت میں حاضر ہو کر خود اپنے اپنے ضمیر سے یہ پوچھیں کہ وہ ''حق کی لڑائی'' لڑ رہے ہیں یا ''حق سے لڑائی'' لڑ رہے ہیں۔ اول الذکر کو اسلام ''جہاد'' سے تعبیر کرتا ہے جب کہ موخر الذکر کو ''فساد فی الارض'' قرار دیتا ہے۔ جس دن دنیا ''حق کی لڑائی'' اور ''حق سے لڑائی'' میں عملاً تمیز کر لے گی وہ دن دنیا میں قیام امن کے آغاز کا دن ہوگا۔ دنیا کی تمام اقوام و ممالک کے لئے اسلام کی روشنی میں آزاد کا یہی پیغام تھا۔

حوالہ جات:

۱- ترجمان القرآن، ج -۲، ص-۹۴، ابو الکلام آزاد، مطبوعہ ساہتیہ اکادمی، دہلی، ۱۹۶۶ء

۲-قرآن کا قانون عروج و زوال، ص. ۴۹ --۵۰، ابوالکلام آزاد اعتقاد پبلشنگ ہاوس، دہلی، ۱۹۸۸ء

۳- خطبات آزاد، ص: ۴۹، ابو الکلام آزاد، مرتبہ مالک رام ساہتیہ اکادمی، دہلی، ۱۹۹۵ء

۴- اسلام کا نظریہ جنگ، ص: ۱۵۰، ابو الکلام آزاد، اعتقاد پبلشنگ ہاوس، دہلی، ۱۹۸۸

۵- نیا دور مہاتما گاندھی نمبر، ص: ۱۴، اتر پردیش لکھنو، جنوری،

کچھ توقعات ہیں اور اقوام متحدہ سے چند در چند خطرات ۔ ان
تاثرات میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے اور اس دوران میں
سیاسی صورتِ حال بد سے بدتر ہوگئی ہے اور انجمن اقوام متحدہ جسے
امن وسلامتی کے قیام کا وسیلہ ثابت ہونا چاہیے تھا ایک ایسا
میدان بن گئی ہے جہاں بڑی طاقتیں اپنے نزاعی مقاصد کی تکمیل
کے لیے ایڑی سے چوٹی تک زور لگا رہی ہیں'' ۔ (۳۷)

اقوام متحدہ کے خطرات تو آج تک کم نہ ہوسکے البتہ یونیسکو سے وابستہ آزاد کی توقعات ان کی زندگی میں ہی ختم ہوگئیں چنانچہ ۵ نومبر ۱۹۵۶ء یونیسکو جنرل کانفرنس میں آزاد نے اعتراف کیا کہ:

''غور کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہونچا ہوں کہ یونیسکو ذہنی
فضا پیدا کرنے اور من کے لئے احترام قائم کرنے میں ناکام
رہا ہے اور ان امور کے حصول کے بغیر ہماری عظیم الشان تکنیکی
اور سائنسی ترقی ایک خطرناک لعنت ہے اور ہمارے سروں پر
ایک ننگی تلوار لٹک رہی ہے'' ۔ (۳۸)

خلاصہ کلام یہ کہ موجودہ عالمی صورت حال کا تجزیہ کریں تو یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ تمام ممالک ایک دوسرے کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ وہ ''حق

ہاؤس، دہلی-۱۹۸۸ء
۱۹-کمال ابوالکلام، ص:۵۲،علی جوادزیدی،محولہ بالا
۲۰- سیرت النبی، ج-۶،ص:۲،سید سلیمان ندوی، طبع چہارم ۱۹۶۴ء
۲۱- کچھ ابوالکلام کے بارے میں، ص-۱۷۵، مالک رام، مکتبہ جامعہ، دہلی، ۱۹۸۹ء
۲۲- ابوالکلام آزاد-فکر وفن، ص-۵۱۷، ملک زادہ منظوراحمد، نسیم بک ڈپو لکھنو، ۱۹۶۹ء
۲۳-ہم نفسان رفتہ، ص-۱۰۰، رشید احمد صدیقی، سرسید بک ڈپو، علی گڑھ،۱۹۴۴ء
۲۴-انتخاب ہفتہ وار پیغام، ص-۴۲، مرتبہ محمود الٰہی، اتر پردیش اردو اکادمی، دہلی، ۱۹۹۳ء
۲۵-ترجمان القرآن، ج-۳، ص-۱۵۸،
۲۶--ایضاً، ج-۳، ص:۱۸۰
۲۷-مولانا ابوالکلام آزاد-شخصیت اورکارنامے، ص:۲۰۲، خلیق انجم، اردو اکادمی، دہلی ۱۹۹۳ء
۲۸- الہلال، کلکتہ ۱۸/ دسمبر ۱۹۱۲ء بحوالہ یوپی اردو اکادمی، ج-۱،ص-۵

۱۹۹۶ء
۶-کمال ابوالکلام آزاد، ص:۴۹،علی جواد زیدی، اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنو، ۱۹۸۹ء
۷-اسلام کا نظریہ جنگ، ص:۵۳، محولہ بالا
۸-ترجمان القرآن، ج-۱، ص.۵۷، محولہ بالا
۹-یادگاری خطبات، ص.۵۷، مرتبہ: نثار احمد فاروقی، دہلی، ۱۹۸۵ء
۱۰-انتخاب خطبات جمعیۃ علماء ہند، ص ۶۴، مرتبہ ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی، اتر پردیش اردو اکادمی، ۱۹۸۸ء
۱۱-ترجمان القرآن، ج-۱، ص-۴۴۹ محولہ بالا
۱۲-ایضاً، ص:۴۰-۴۳۹
۱۳-نیا دور مہاتما گاندھی نمبر، ص:۸۷، لکھنو، جنوری ۱۹۹۶ء
۱۴-ترجمان القرآن، ج-۲، ص.۱۳۳، محولہ بالا
۱۵-الہلال، ج-۱، شمارہ-۷، ص-۱۲، کلکتہ، ۱۲ اگست ۱۹۱۲ء
۱۶- صدائے رفعت، ص ۱۰۸-۱۰۷، ابو الکلام آزاد، ناز پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ب ت
۱۷-ترجمان القرآن، ج-۲ م ص:۵۹۷ محولہ بالا
۱۸- آزاد کی تقریریں، ص:۱۱۱، انور عارف، اعتقاد پبلشنگ

مولانا آزاد کی نظروں میں
اسلام کا پیغام امن و آشتی

- ثانیہ صدیق

مولانا ابو الکلام آزاد ایک عہد آفریں شخصیت کے حامل تھے ان کی شخصیت کے کئی روشن پہلو تھے۔ انھوں نے زندگی کے کئی امور کو اپنی منور شخصیت سے پرنور بنادیا تھا یہ روشنی کا عمل نہ صرف ان کے عہد میں زندگی کی شاہ راہ کو روشن کرتا رہا ان کے اس حیاتِ ناپائیدار سے چلے جانے کے بعد بھی ان کے افکار کی روشنی آج بھی ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔ انھوں نے اسلامیات، اردو صحافت، تذکرہ نگاری، انشاء پردازی کے میدان میں شاندار تاریخی خدمات انجام دیں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ ہندوستان کی جنگ آزادی کے صفحہ اوّل کے سورما

۲۹- جامع الشواہد، ص- ۲۸-۲۹، ابوالکلام آزاد، مکتبہ ماحول، دہلی، ۱۹۶۰ء

۳۰- ابوالکلام آزاد، ص- ۲۸ م اے بی راجپوت، لوئن پریس، لاہور، ب ت

۳۱- ایوان اردو آزاد نمبر، ص-۳۹، اردو اکادمی دہلی، دسمبر ۱۹۸۸

۳۲- مولانا ابوالکلام آزاد- شخصیت اور کارنامے، ص۲۰۴، محولہ بالا

۳۳- ہماری آزاد- ابو الکلام آزاد، مترجمہ محمد مجیب، بمبئی اورینٹ لاگ مینس، ۱۹۶۱ء

۳۴-آزاد کی تقریریں، ص:۲۹۹ محولہ بالا

۳۵- انڈیا ونس فریڈم، ص-۲۴۸، ابوالکلام آزاد، بمبئی اورینٹ لانگ مینس ۱۹۸۸ء

۳۶- سلامتی کا راستہ، ص-۲۷، مولانا مودودی، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی، جون ۲۰۰۰

۳۷-آزاد کی تقریں، ص-۲۶۶، محولہ بالا

۳۸-ایضاً، ص-۲۷۴

قوم کو ایک کامیاب زندگی کے لئے تیار کیا اور ہمکنار بھی کیا۔ اُنھوں نے ''امن'' کے نام پر ایک مخصوص عنوان کے طور پر کچھ نہیں لکھا لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ ابولکلام کی ساری تحریریں اور ان کے تمام تقریریں صرف اور صرف انسان کی سر بلندی، آزادی اور خوشحالی کے لئے تھیں۔ یہ ساری باتیں امن کا مقصد ہیں اور امن کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں چونکہ وہ بنیادی تور پر ایک عالم دین تھے اس لئے زندگی کو سمجھنے اور سمجھانے کے لئے وہ اسلامی تعلیمات سے ہمیشہ استفادہ کرتے رہے؛ سیاست ہو یا ادب ہر جگہ ان کے پاس اسلامی تعلیمات کی روشنی جگمگاتی ہے۔ ''امن'' جیسے موضوع پر یا انسان کو زندہ رہنے کے حق کو حاصل کرنے کے لیے بھی وہ اسلامی تعلیمات سے مالا مال افکار پیش کرتے رہے۔

انسان کا سب سے بڑا دشمن انسان ہے۔ انسان ہی انسان کا قاتل ہوتا ہے۔ یہ دنیا اپنے بنانے والے کا شاہکار ہے اور انسان کائنات میں اپنا ایک منفرد مقام کا حامل ہے اسکے باوجود ہر انسان دوسرے انسان سے ڈرا ہوا، سہما ہوا محتاط اور متفکر نظر آتا ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ کب، کس انسان سے اس کو نقصان پہنچے گا۔ وہ زندگی کے ہر موڑ پر ایک مخصوص رویے کو اپنانے کے لیئے مجبور ہے۔ اسکے ساتھ ساتھ انسان ایک ''سماجی حیوان'' بھی ہے۔ اس طرح انسان کی زندگی

تھے۔انھوں نے سیاست اور مذہب کو کچھ اس انداز سے ہم آہنگ کر دیا تھا کہ
شاعر کو کہنا پڑا.

تفاد شعر و شریعت کو کر دیا آہنگ
بلند کتنا مذاق نظر ملا تھا مجھے

(فضاء ابن فیضی)

مختصر یہ کہ مولانا آزاد نے جس طرف بھی نظر ڈالی اُس میں خیرو
برکت، کامیابی و کامرانی انھیں حاصل ہوئی۔ یہ کامیابی صرف ان کی نہیں تھی بلکہ
قوم کی تھی۔اس طرح ان کے افکار آج ہمارا قومی ورثہ ہیں۔حق بات تو یہ ہے کہ
ان کے افکار عالمی سطح پر اپنی شناخت رکھتے ہیں۔ان کی خدمات میں تنوع ضرور
ملتا ہے تاہم یہ تسلیم کرنا ضروری ہے کہ ان کا مقصد صرف ایک تھا وہ یہ کہ انسان
کو آزادی، ترقی اور خوشحالی سے ہمکنار کریں۔اس کی ذہنی پستی کو اعلیٰ وارفع مقام
سے ہمکنار کریں۔اسکے فکر و عمل میں نیکی، پاکی اور انسانی دوستی کے مواقع فراہم
کریں۔اُنھوں نے کئی موضعات پر قلم فرسائی کی۔جیسے کہ مذکور ہوا، اُنھوں نے
زندگی کو سمجھنے اور سمجھانے کے لئے مضامین لکھے اور ساتھ ساتھ اپنے خطبات سے

ہے۔ یہی جبلّت (Instinct) فرد کو اکساتی ہے کہ وہ دوسرے کی قوت سے ہوشیار رہے اپنی حفاظت کا اہتمام و انتظام کرے اسکے ساتھ ساتھ معاشی آسودگی کے لئے دولت پیدا کرنے کے ذرائع (Sources) اور اشیاء کو اپنی ملکیت بنائے۔ انسان کا یہ عمل ہماری سماجی نفسیات کا اہم جُز ہے۔ اس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ ہماری سماجی زندگی میں اکثر باہمی تناؤ پیدا ہوتا رہتا ہے۔ یہ عمل فرد کی انتشاری جبلتوں کا نتیجہ ہوا کرتا ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ انسان صرف انتشاری جبلّتوں کا تابع ہے وہ فطرتاً مدنی الطبع واقع ہوا ہے۔ انتشاری جبلتوں کے ساتھ ساتھ انسان میں میل ملاپ کے بھی فطری رجحانات ہوتے ہیں جو افراد کو اجتماعیت کی طرف راغب کرتے ہیں اس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ سماجی زندگی میں مفاہمت کے لئے فضا سازگار ہونے لگتی ہے۔ تمدنی زندگی کی ابتداء اسی مقام سے شروع ہوتی ہے۔ اس طرح انتشاری جبلتوں کے ساتھ ساتھ مفاہمت کرنے والی صورتوں کا اثر بھی ہماری سماجی زندگی پر برابر ہوتا رہتا ہے۔ جب کبھی انتشاری جبلّوں کو سر اُٹھانے کا موقع ملتا ہے تو جنگ و جدال، لوٹ کھسوٹ اور جنگل کا قانون رواج پاتا ہے اور جب مفاہمت کی طاقت غالب آجاتی ہے تو پُر امن تمدنی زندگی نکھرنے لگتی ہے۔

تضاد Anti thesis کا مجموعہ ہے۔ وہ وقتِ واحد میں بہترین دوست ہے اور ساتھ ہی ساتھ وہ بدترین دشمن بھی۔ وہ اجتماعی زندگی میں امن کا علمبردار ہے اور یہی امن کا پیامبر، جنگ وجدال کے لئے بھی اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ انسان کا یہ دوُرخا عمل ابدائے آفرینش سے چلا آتا ہے۔ اس کا ردعمل زندگی کے لئے درکار اہم ترین ضرورت ''امن'' کا اہتمام کرتا ہے۔ امن دراصل جنگ، انتشار، لوٹ کھسوٹ، استحصال Expliotation وغیرہ جیسی انسان دشمن واقعات کی ضد ہے۔ اس اجمال کی تصویر ذیل کی سطروں میں پیش کی جاتی ہے۔

ہمارا یہ مشاہدہ ہے کہ بلا شبہ روز جب آفتاب طلوع ہوتا ہے دنیا میں نئے نئے مسائل وافکار کا ایک انبار غور وفکر کے لئے چھوڑ جاتا ہے اور یہی گونا گوں مسائل جوان گنت تصورات کی صورت گری کرتے ہیں انسانوں کو مختلف خانوں میں بانٹ کران کے خیالات کے سمندر میں خلیجیں پیدا کر دیتے ہیں۔ اس طرح اندازفکر کا یہی تضاد تدریجی طور پر طبقاتی کشمکش کا حلیہ اختیار کر لیتا ہے اور یہی گروہ بندی مختلف اشکال میں انسانوں کو باہم دست وگریباں ہونے کے لئے اُکساتی ہے۔ اس طبقاتی کشمکش کا نفسیاتی تجزیہ کرنے پر جو چیز سب سے پہلے نظر آتی ہے وہ جبلّت تحفظ ذات (Instinct of Self Protection)

امن کی دشمن ہوتی ہیں ۔اس خیال کو مولانا آزاد نے اپنے بلیغ انداز میں اس طرح نظر ڈالی ہے۔

ایشیا میں ہمیشہ ہائکس مذہب کی آڑ میں رہا ہے اور ہزاروں خوں ریزیاں جو پولیٹیکل اسباب سیہوئی نہیں اُنھیں مذہب کی چادر اڑھا کر چھپا دیا گیا۔
(حیات سرمد،کولانا آزاد صفحہ 19،شائع کردہ مولانا یونس خالدی لکھنؤ)

مولانا آزاد نے جو فکر ونظر کی شاہراہ تعمیر کی تھی اس میں اسلامی تعلیمات کی حیثیت بنیادی ہے تاہم اس بات کا اعتراف بھی ضروری ہیکہ انھوں نے اپنے دور کے حالات خاص طور پر ہندوستان کے مسلمانوں کی زبوں حالی سے اثر قبول کیا تھا۔اس طرح ان کے نصف اول میں قوم کو متاثر کرتے رہے۔مولانا آزاد کے افکار پر جمال الدین افغانی ، علامہ محمد عبدہ اور علامہ رشید الرضاء کی تحریروں کا اثر تھا۔

مولانا جمال الدین افغانی کا خیال تھا کہ اسلامی عقائد کی آزادانہ عمل آوری کے لیے اسلامی ممالک میں شخصی حکومتوں کا خاتمہ کیا جائے ان کے جورو

مندرجہ بالا سطور میں اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے ''امن'' کے بارے میں اوراسکی لازمی ضرورت کے تعلق سے چند بنیادی اُمور کو بیان کیا گیا۔اب دیکھنا یہ ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد کی نظر غائر نے امن کے پیغام اسلامی تعلیمات کی روشنی میں کیا دیا تھا۔

چنانچہ وہ فیصلہ کن انداز میں لکھتے ہیں ۔

''مذہب انتشاری قوتوں کو دبا کر ان جبلتوں کو شہ دیتا ہے جو اُلجھاؤ کے بجائے سلجھاؤ کا راستہ پیدا کرتے ہیں چنانچہ آج تک جتنے بھی مذاہب آئے ہیں ان سب میں عالمی قدریں اور نیکیاں مشترکہ طور پر ملتی ہیں''۔ (بحوالہ مولانا ابوالکلام آزاد کے تعلیمی تصورات)

مولانا ابوالکلام آزاد نے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ہمیشہ یہ سمجھانے کی کامیاب کوشش کی کہ اسلام کسی بھی مذہب کا مخالف نہیں ہے۔انھوں نے ہر وقت اسلام کے نظام امن کی نشاندہی کی اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی سمجھایا کہ سماجی ضرورتوں کے نت نئے حلیے مذاہب کا سہارا لے کر آسودگی حاصل کرتے آئے ہیں اور یہی خبر انسان کو ایک دوسرے سے لڑاتے رہی ہے گویا انتشاری جبلتیں

ہی پروردگار ہے''۔(ترجمان القرآن جلد اول صفحہ ۱۴۷ و ۱۴۸)

مولانا نہایت تفصیل سے ''اُمت واحدہ'' کا تصور پیش کرتے ہیں جو دنیا کے لیے ایک پُر امن ماحول کی بشارت دیتا ہے۔ مولانا کی نظر اسلامی تعلیمات کے اس اہم حصہ پر پڑتی ہے جس میں گروہ بندیوں کے خلاف احکامات ہیں۔ اس بارے میں مولانا نے گروہ بندیوں کا پردہ فاش کیا تھا۔ قرآن مجید کی دعوت کی ترجمانی اس طرح کرتے ہیں۔

''........کوئی بات بھی قرآن کے صفحوں پر اس درجہ نمایاں نہیں ہے جس قدر یہ بات ہے۔ اس نے (قرآن نے) بار بار صاف اور قطعی لفظوں میں اس حقیقت کا اعلان کر دیا ہے کہ وہ کسی نئی مذہبی گروہ بندی کی دعوت لیکر نہیں آیا بلکہ وہ چاہتا ہے کہ تمام مذہبی گروہ بندیوں کی جنگ و نزاع سے دنیا کو نجات دلائے اور سب کو اسی ایک راہ پر جمع کر دے جو سب کی مشترک اور متفقہ راہ ہے وہ بار بار کہتا ہے جس راہ کی میں دعوت دیتا ہوں وہ کوئی نئی راہ نہیں ہے اور نہ سچائی کی راہ نئی ہو سکتی ہے وہ تو وہی راہ ہے جو اوّل دن سے موجود ہے اور تمام مذاہب کے بانیوں نے اسکی طرف بلایا ہے۔

......اس لیے اس دعوت کی پہلی بنیاد ہی یہ ہے کہ تمام بانیانِ مذاہب

استبداد کا خاتمہ ہو۔ اسلامی ممالک بیرونی اثرات سے آزاد ہو کر اپنے مسائل کا آزادانہ تصفیہ کریں۔ اسی رجحان اور یہی طریق عمل محمد عبدہ اور رشید الرضاء کے ہا ں ملتا ہے۔ مولانا نے اس سرچشمہ سے فیض پایا تھا۔ الہلال کے ابتدائی شماروں میں مولانا آزاد نے اسلامی ممالک میں قیام امن کے لئے جو ''شذرات'' شائع کئے تھے آج بھی ان ممالک کے لیے مشکل راہ میں بخوف طوالت الہلال کی ان تمام قدروں کو جو اسلامی ممالک کے متعلق ہوا کرتی تھیں جن پر بے لاگ تبصرے لکھے جاتے تھے یہاں نہیں لکھے گئے یہ افکار مولانا کی بصیرت کی نشاندہی کرتے ہیں ان کی نظر میں اسلامی تعلیمات کی بنیادی اقدار کی حفاظت اور اشاعت ضروری تھی وہ عمر بھر اسی فرض کو پورا کرتے رہے۔ مولانا آزاد نے اسلامی تعلیمات کے ایک اہم گوشہ پر نظر ڈالی جسکے مطالعے سے اسلام کی یا دینِ الٰہی کی اصل سمجھ میں آتی ہے۔ اس اہم ترین حقیقت کو سمجھنے کے لیے مولانا آزاد کے بیان کا مطالعہ سود مند ہوگا۔ لکھتے ہیں:

> ''دین الٰہی کی اصل نوع انسانی کی اخوت و وحدت نہ کہ تفرقہ و منا
> فرت خدا کے جتنے بھی رسول دنیا میں آئے سب نے ہی تعلیم دی تھی
> کہ اصلاً ایک ہی اُمت اور ایک ہی گروہ ہو اور تم سب کا پروردگار ایک

جھلکتی ہے یہ ساری باتیں قرآن حکیم تفاسیر کے لیے بھی صادق آتی ہیں۔ نبی کریمؐ کے بعد ہر وقت اور ہر ملک میں قرآن حکیم کو سمجھانے اور اپنے عہد کو قرآن مجید سے قریب سے قریب تر کرنے کا کام مفسرین نے انجام دیا ہے۔ دوسرے الفاظ میں ''تفسیر'' ایک مستقل علم کی صورت میں دنیا کے سامنے ہے۔ اس مختصر سے مقالہ میں تفاسیر کی تاریخ اور مفسرین کی خدمات کا جائزہ لینا مشکل ہے تاہم اتنا عرض کرنا ضروری ہے کہ

(۱) کتب التفسیر بالماثور

(۲) کتب التفسیر بالرائی المحمود

(۳) کتب التفسیر معتزلہ

(۴) کتب التفسیر امیامیہ اثناعشریہ

(۵) کتب التفسیر زیدیہ

(۶) کتب التفسیر خوارج

(۷) تفاسیر صوفیہ

تمام آسمانی کتابوں کی یکساں طور پر تصدیق کی جائے یعنی یقین کیا
جائے کہ سب حق پر تھے اور سب نے ایک ہی اصل وقانون کی تعلیم
دی ہے اور ان سب کی متفقہ تعلیم پر کاربند ہونا ہی ہدایت وسعادت کی
اصل راہ ہے'' (ترجمان القرآن جلد اوّل صفحہ ۱۴۹ اور ۱۵۰)

مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی شہرہ آفاق تفسیر ترجمان القرآن میں سب سے زیادہ زور اقوام کے اتحاد پر دیا ہے۔ آپس کی تفرقہ اندازی کو انسانیت کی تباہی بتایا ہے یہ انکا ایسا کارنامہ ہے جو ان کو قرآنِ حکیم کے دیگر مفسرین میں ایک مخصوص مقام عطا کرتا ہے۔ مولانا آزاد کے قرآن فہمی کے لیے جس اونچی سطح سے نظر ڈالی تھی وہ ان کی صلاحیتوں سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم تھا کہ بندوں کی صحیح رہنمائی کے لیئے وہ علمائے حق کو ہر وقت پیدا کرتے ہیں چونکہ رسول اکرؐ کے بعد اب کوئی نبی یا رسول کے آنے کا سوال نہیں لیکن نبوت اور رسالت کی گراں قدر ذمہ داری سرکار دو عالمؐ کے اُمتی اور علمائے کرام برابر انجام دیتے آئے ہیں۔

شعر وادب کے مباحث میں اس بات کا بہت چرچہ رہتا ہے کہ ''ادب زندگی کا آئینہ ہوتا ہے''۔ ''ادب تنقید حیات ہے''۔ ادب میں عصریت ہر وقت

دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں ایسے ماحول میں آج سب سے زیادہ ضرورت قیام امن کی ہے۔ظاہر ہے یہ بنیادی کام صرف اور صرف ذہنِ انسانی کی تربیت سے ممکن ہوسکتا ہے۔اس دنیا کو ہلاکت اور تباہی سے بچانے کے لیے مختلف الخیالی کی جگہ ہم خیالی کو جنم دینا ضروری ہے۔دوستی کی بنیاد ہم خیالی ہے۔مولانا آزاد کی نظر عصر حاضر کی اس اہم ترین ضرورت امن پر ہر وقت رہی لیکن اُنھوں نے جنگ یا امن جیسے موضوعات پر توجہ نہیں دی۔ یہ ایسے موضوعات ہیں جو کسی مکتب یا اسکول کے طلباء کی انجمن مباحثہ میں دلچسپی سے بحث کا موجب بن سکتے ہیں۔ مولانا نے جنگ اور امن کی بنیادوں پر نظر ڈالی انکا اس طرح سے جائزہ لینا انکا اپنا نہیں تھا۔ان کے افکار کا سر چشمہ قرآن حکیم ہے۔

قرآن مجید کا نزول ہی رحمت کی شکل میں موجود ہے۔اسلام،سلامتی ،امن اور خوشحالی کی ضمانت دیتا ہے۔اسلامی تعلیمات میں انسان کے مقام کو حد درجہ اہمیت دی گئی ہے انسان خواہ کسی ملک کا ہو،کسی بھی نسل کا ہو یا کسی بھی رنگ کا ہو انسان ہے۔انسان کی حفاظت دوسرے انسان کا فرض ہے۔یہاں تک کہ کسی درخت یا پودے کو تلف نہ کرنے کی ہدایات اسلامی تعلیمات میں جگمگاتی

(۸) تفاسیرفقہاء

(۹) جدید تفاسیر

قرآن مجید کی تفاسیر سے متعلق یہ مختصر سی فہرست مختلف مکاتب فکر کی نشاندہی کرتی ہے، گزشتہ چودہ صدیوں میں کئی تفاسیر اور ہزاروں صفحات پر مشتمل تفسیر قرآن کے گراں قدر کارنامے مختلف ممالک میں انجام پائے ہیں لیکن ان تمام تفاسیر میں ''عصری آگاہی'' سب سے زیادہ ترجمان القرآن میں ملتی ہے ہر چند مولانا آزاد کی یہ تفسیر مکمل نہیں ہے لیکن اس میں مولانا کا اندازِ فکر نہایت متاثر کن ہے۔ جب ہم یہ کہتے ہیں ''عصری آگاہی'' ایک لازمی ضرورت ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آج اس دنیا کو سب سے زیادہ کس چیز کی ضرورت ہے؟ یہ دنیا اپنے بنانے والے کا شاہکار ہے۔ قدرت کی فیاضیاں ہر جگہ نظر آتی ہیں لیکن آج ساری دنیا کا المیہ یہ ہے کہ یہ دنیا تباہی کے دہانے پر پہنچ گئی ہے نہ جانے کب یہ ساری کائنات تباہی و بربادی کا شکار ہو جائے ۔ یہ تو عالمگیر سطح پر غیر یقینی فضاء پیدا ہوگئی ہے۔ اگر ہر ایک ملک کا الگ الگ جائزہ لیا جائے تو ہر جگہ انسان انسان کا دشمن، استحصال، سونچنے کے انداز میں ٹکراؤ نظر آتا ہے۔ کئی متاحرب گروہ ایک

فرسائی کرتا ہوں''۔

رہا ہوں رند بھی اور پارسا بھی
میری نظر میں ہیں رند و پارسا ایک ایک

(ترجمان القرآن جلد اول پہلا ایڈیشن صفحہ ۱۹)

مولانا ابوالکلام آزاد نے یہ واضح کیا کہ مسلم حکمرانوں کی ابتری کی اصل وجہ خود ان کے اسلاف کی بنیادی غلطیاں ہیں۔ انھوں نے اپنے اجداد کا تذکرہ لکھ کر یہ بتلایا کہ شخصی حکومت کی وجہ سے علماء نے کس طرح اسلامی افکار کو مجروح کیا یہ ایسا طرز فکر تھا جو مسلمانوں کو خوش فہمی اور اپنے اجداد کے قصوں میں مذہبی جذبہ کی تسکین کا سامان بنا۔ تاریخ کا اس انداز سے جائزہ لیکر انھوں نے یہ بتایا کہ ہندوستان میں اسلام کس طرح داخل ہوا۔ اس کی دو صورتیں ہیں ایک صورت تو وہی ہے جسے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار کیا تھا یعنی انسان کی فطری ضرورتوں کو اکسا کر اور انھیں اجتماعیت کا درس دیکر تنویر اسلام سے منور کرنا لیکن ہندوستان میں اسلام کی نشونما میں ایک دوسری صورت بھی کارفرما رہی وہ ''حصول اعتراض مادّی'' تھی یعنی یہ کہ جس طرح اسلام کی قدروں کی توسیع اور حفاظت کا کام رسول عربی صلعم نے کیا تھا

ہیں۔مولانا آزاد کی نظر میں ''امن'' صرف ایک حالت کا نام نہیں یہ ایک لازمی ضرورت بلکہ فطرت کے عین مطابق سماجی زندگی کے لیے آئین ہے۔ان کے طرز استدلال میں بیکارسی حجت نہیں ہوتی۔دلائل کا انبار نہیں ہوتا بلکہ وہ قرآن حکیم سے براہ راست استفادہ کرتے ہیں قرآن اس دنیا کے بنانے والے کا پیام ہے۔یہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔مولانا آزاد کے افکار میں اس ضابطہ حیات سے استفادہ کا جو شعور کارفرما ہے وہ امن ہی کا حق اور حصہ ہے۔انھوں نے برسوں فکر ونظر کی وادیوں کی سیر کی۔اپنی چھوٹی سی عمر ہی سے وہ حق کی تلاش میں سرگرداں رہے۔ان کی ابتدائی زندگی کے ماحول نے ان کو کورانہ تقلید سے ہٹا کر فکر وعمل کی راہوں پر ڈال دیا تھا۔وہ خود اپنے بارے میں لکھتے ہیں:

''تفاسیر وکتب کا جتنا مطبوعہ ذخیرہ موجود ہے میں کہہ سکتا ہوں کہ اس کا بڑا حصہ میری نظر سے گزر چکا ہے۔علوم فنون کے مباحث ومقالات کا کوئی گوشہ نہیں جسکی طرف سے حتی الوسیع ذہن نے تغافل اور جستجو نیتساہل سے کام کیا ہو۔علم ونظر کی راہ میں آج کی قدیم وجدید کی تقسیمیں کی جاتی ہیں لیکن میرے لئے یہ کوئی تقسیم نہیں۔جو کچھ جدید ہے اس کے لیے اپنی راہیں آپ نکالیں۔میرے لیے ہر وقت کی جدید راہیں بھی ویسیہی دیکھیبھالی ہیں جس طرح قدیم راہوں میں گام

ہے وہ بنیادی طور پر شارح اسلام ہیں۔ جہاں بھی موقع ملا انھوں نے اسلامی تعلیمات کو اس انداز سے پیش کیا کہ شر پسند عناسر کی تمام کاستانیاں واضح ہو جاتی ہیں۔ ان کا لہجہ دوٹوک ہے وہ حق گوئی کی خاطر تاریخ

کو صحیح طور پر اس کی اصلی شکل میں پیش کرتے ہیں۔ ''تذکرہ'' بظاہر مذہبی کتاب معلوم نہیں ہوتی۔ لیکن حقیقت میں اس میں اسلامی اقدار کی عملی صورت گری کو تاریخ کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے۔ اس وضع کا تقابلی مطالعہ بڑی ذمہ داری کا کام ہے لیکن اس راہ پر مولانا اس وجہ سے آسانی سے گذر گئے کہ ان کے ہاتھ میں اسلامی تعلیمات کی مشعل روشن تھی وہ اس روشنی میں تاریخ کا مطالعہ کرنے میں کامیاب رہے۔

مولانا ابو الکلام آزاد نے جہاں یہ بتایا کہ عالم گیر انسانیت کے لیے مذاہب کی بنیادی قدریں جو مشترکہ طور پر ہر ملک اور ہر زمانے میں ملتی ہیں ہر دور کے لیے ضروری ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ فلسفہ اور سائنس کی ترقی کی وجہ سے مذاہب کے بارے میں شکوک اور بے یقینی کی عام فضار کو دور کرنے کے لیے انھوں نے مذہب کی حمایت کی۔ وہ فلسفہ اور مذہب کا تقابلی مطالعہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ہندوستان کے مسلم زعماء اور بزرگوں نے اس کو پورے طور پر نہیں کیا۔ اس بات کو اس طرح بھی لکھا جا سکتا ہے کہ ہندوستان میں اسلام کو صحیح طور پر پیش نہیں کیا گیا گویا ''انتشاری جبلتوں'' کو بھی دخل رہا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ ہندوستان میں چند بزرگوں نے اسلام کی انتہائی بے غرضانہ خدمات انجام دیں اور انھیں کی کوششوں کا یہ فیضان ہے کہ مذہب اسلام ہندوستان کے کروڑوں رہنے والوں کے سینوں کو منور کیا ہوا ہے۔ مولانا آزاد نے اپنی تفسیر ترجمان القرآن کے علاوہ ایک اہم کتاب لکھی تھی جو اردو ادب میں ایک شاہکار کا مقام رکھتی ہے۔ بظاہر یہ کتاب جو ''تذکرہ'' کے عنوان سے شائع ہوئی اور اس تذکرہ میں مولانا آزاد نے اپنے اجداد کا حال نہایت عالمانہ انداز میں لکھا۔ اگر ''تذکرہ'' کی اشاعت کے پیچھے کارفرما مقصد کو تلاش کیا جائے تو یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ مولانا آزاد کا ''تذکرہ'' دراصل علمائے سوء اور علمائے حق کا تقابلی مطالعہ ہے۔ انھوں تواریخ کے حوالے سے یہ واضح کیا کہ ہر دور میں ''علمائے سوء'' سماج میں انتشار اور بدامنی کو پھیلانے کا کام کرتے رہے ہیں۔ ان کی خودغرضانہ زندگی ہمیشہ سکون وچین کو تباہ اور امن وآشتی کو برباد کرتے رہے ہیں۔ ان کی سازشوں کی وجہ سے کئی علمائے حق کو دارورسن کی آزمائش سے گذرنا پڑا تھا ''تذکرہ'' کے مطالعے سے ابوالکلام کی نظر کی پاکی اور خیالات کی وسعت کا اندازہ ہوتا

کیے ہیں لیکن اگر غور سے اس پیغام کا مطالعہ کیا جائے تو جو حقائق سامنے آئے ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) سائنس کی افادیت سے انکار نہیں کیوں کہ بقول آزاد سائنس ثابت شدہ حقیقتوں سے بھی آشنا کرتا ہے۔

(۲) ساتھ ہی ساتھ وہ وضاحت کرتے ہیں کہ سائنس اس دنیا کو سکون قلب نظر نہیں عطا کرتی۔

(۳) سکون کے لئے دوسرے الفاظ میں امن کے لئے مذہب ہی ایک واحد سہارا ہے جس سے ''دکھتی ہوئی پیٹھ ٹیک لگا سکتی ہے''۔

(۴) مولانا آزاد کی اس فکر انگیز تحریر میں لفظ اسلام نہیں ملتا بلکہ انھوں نے وضاحت سے لکھا ہے مذہب کی طرف دیکھنا پڑتا ہے چونکہ مولانا آزاد تمام مذاہب کو ایک ابدی سچائی کے طور پر تسلیم کرتے تھے اور اس کے پرچارک تھے اس لیے انھوں نے ''مذہب'' لکھکر تمام مذاہب کے ماننے والوں کو یہ سمجھایا کہ سائنس تو انسان کا پیدا کردہ علم ہے جس کا تدریجی ارتقاء ہوا ہے اس میں کوئی شک نہیں سائنس نے انسان کو راحت اور آرام کے سینکڑوں مواقع فراہم کیے ہیں لیکن جب کبھی اس دنیا کو تباہی سے بچانے کی بات آتی ہے۔ ہمارا دماغ فوراً سائنس

''سائنس عالم محسوسات کی ثابت شدہ حقیقتوں سے ہمیں آشنا کرتا ہے
اور مادی زندگی کی بے رحم جبریت Physical Determinism کی
خبر دیتا ہے عقیدے کی تسکین اس بازار میں بھی مل نہیں سکتی وہ یقین
اور امید کے سارے بجھے چراغ گل کر دے گا مگر کوئی نیا چراغ روشن
نہیں کریگا پر اگر اہم زندگی کی ناگواریوں میں سہارے کے لئے نظر
اٹھائیں تو کس طرف اٹھائیں۔

کون ایسا ہے جسے دست ہو دل سازی میں
شیشہ ٹوٹے تو کریں لاکھ ہنر سے پیوند

ہمیں مذہب کی طرف دیکھنا پڑتا ہے۔ یہی دیوار ہے جس سے پیٹھ ٹیک
لگا سکتی ہے.................................. ....
یقین ہمارے دل و دماغ پر چھایا رہتا تھا اب ہمارے لئے یہ بھی باقی
نہیں رہا۔ اب مذہب ہی ہمارے سامنے اتا ہے تو عقلیت اور منطق
کی ایک سادہ اور بے رنگ چادر اواڑھ کر آتا ہے اور ہمارے دلوں
''۔غبار خاطر۔ پہلا اڈیشن صفحہ ۲۴،۲۵

مندرجہ بالا اقتباس مولانا ابوالکلام آزاد کی تحریروں میں ایک جگمگاتا ہوا
ستارہ ہے جسکی روشنی میں سائنس کی اصل اور مذہب کی حقیقت آشکار ہوئی ہے
بظاہر اس طویل بیان میں مولانا نے امن یا جنگ اور اسلام جیسے الفاظ استعمال نہیں

سمیناروں اور کانفرنسوں کے افتتاحی کلمات سے رہنمائی کی تھی ۔ یونیسکو UNESCO کے تحت عالمی سمیناروں کو مخاطب کیا تھا۔ وہ وضاحت کے ساتھ دنیا کی بہبودی کے لئے اظہار خیال کرتے رہے چونکہ وہ ہندوستان کے وزیر تعلیم تھے اس لئے بعض اصحاب کا خیال ہے کہ مولانا نے اپنے دورانِ وزارت جو کچھ کہا یا لکھا وہ انکا سرکاری بیان تھا اس سے ان کی اسلامی فکر سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ یہ انداز فکر بھی اپنی سطحیت اور کوتاہ نظری کا نتیجہ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ مولانا آزاد جیسی شخصیت کی تعمیر میں صرف اسلامی اقدار کا ہاتھ تھا اسلئے ان کے افکار کو ''سرکاری افکار'' یا ''مذہبی افکار'' جیسے خانوں میں تقسیم کرنا مناسب نہیں ۔ اس لئے یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ جب ہم ''مولانا ابوالکلام آزاد کی نظروں میں اسلام کا پیغام امن'' کی بات کرتے ہیں تو مولانا کی صرف مذہبی تحریروں اور تقریروں تک ہم کو محدود نہیں ہونا چاہیے بلکہ مولانا نے جب بھی لب کشائی کی اسکا جائزہ اس انداز سے لینا چاہیے کہ اسکا سرچشمہ کیا ہے۔ مولانا نے اپنے فکر کی بنیادیں کن اقدار پر تعمیر کی ہیں ظاہر ہے ان کی فکر کی اساس اسلام کے پیغام پر قائم تھی ۔ انھوں نے امن جیسے عالمگیر اہمیت کے مسئلہ کو سطحی نظر سے نہیں دیکھا تھا۔ اس لئے مولانا آزاد نے بحیثیت وزیر تعلیم جب کبھی رہنمائی کی اس

کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور ہم پریشان ہو کر یہ سوچنے لگتے ہیں کہ
سائنس جو ہماری بہترین خادم ہے وہ ہماری بدترین دشمن بن سکتی ہے
سائنس کے شر سے دنیا کو بچانا آج ایک عالمگیر موضوع ہے۔ سائنس
ہی کی وجہ سے آج دنیا کا امن ایک سوالیہ نشان بن گیا ہے۔ مولانا
آزاد سائنس کی اس کارستانی سے واقف تھے لیکن عام طور پر یہ سمجھا جا
تا ہے کہ سائنس نے انسان کو بہت کچھ دیا ہے۔ اس لئے مولانا آزاد
اس رجحان کے خلاف لکھنے کے بجائے اس عظیم حقیقت کی طرف اپنے
قاری کی توجہ مبذول کرتے ہیں کہ

''مذہب ہی دیوار ہے جس سے دکھتی ہوئی پیٹھ ٹیک لگا سکتی ہے''

(غبارِ خاطر)

''دکھتی ہوئی پیٹھ'' ایک استعارہ کے طور پر اپنے اندر غضب کی بلاغت رکھتا ہے یہاں وہ لفظ جنگ یا اس کی ضد امن استعمال کر سکتے تھے وہ ایسا اسلیے نہیں لکھ سکے ان کی توجہ بنیادوں پر ہوتی تھی الفاظ کے ظواہر پر نہیں۔

امن کے لئے اور دنیا کو مہیب خطرات سے بچانے کے لئے مولانا ابو الکلام آزاد نے بحیثیت ہندوستان کے پہلے وزیر تعلیم کئی خطبات دیے تھے۔

رکھیں یہ ساری باتیں صحیح ہوتے بھی ادھوری ہیں۔ امن کی تلاش فوج یا پولیس سے نہیں ہوتی اور نہ یہ کام سیاسی یا سماجی لیڈروں کی بس کی بات ہے۔ قیام امن کے لیے اسلامی تعلیمات میں جو پیغام ہے اس پر مولانا کی نظر تھی لیکن وہ ہندوستان کے پہلے وزیر تعلیم کی حیثیت سے اور ایک سیکولر مملکت کے وزیر کی حیثیت سے اپنے افکار کو ''اسلامی تعلیمات'' کے انداز میں پیش نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے انھوں نے اسلام کا نام لیے بغیر ایک ''قومی نظام تعلیم'' کا مسوط منصوبہ پیش کیا۔ جسکے بارے میں اس دور کے ایجوکیشن سکریٹری جو مولا آزاد کے بعد مرکزی حکومت کے وزیر ثقافت وتعلیم ہوئے انھوں نے لکھا ہے:

> '' مولا نا ابو الکلام آزاد جنھوں نے ٹیگور اور گاندھی کے ساتھ ہندوستان کے لیے ایک قومی نظام تعلیم کی تشکیل میں مدد دی''۔
> (ہمایوں کبیر ایجوکیشن ان انڈیا صفحہ ا)

ہمایوں کبیر کے اس بیان میں ٹیگور اور گاندھی جی کے نام ہیں ظاہر دونوں بزرگوں کے افکار اسلامی افکار نہیں ہو سکتے۔ اب سوال یہ ہے کہ ٹیگور اور گاندھی کے ساتھ قومی نظام تعلیم کی تشکیل میں مولانا آزاد کے افکار کی آمیزش کس

میں اسلام کا تدبر اور اسلامی تعلیمات کی رمع جلوہ فرما نظر آتی ہے۔

گذشتہ صفحات میں عرض کیا جا چکا ہے کہ مولانا آزاد کے افکار کا مطالعہ کرنے کے لیے خواہ ''امن'' سے متعلق ہوں یا ہندوستان کی جنگ آزادی سے یا اور کسی موضوع سے متعلق ہوں، ان کے افکار کی تلاش ان کی تمام تحریروں اور تقریروں کی جانی چاہیے۔ ان کے افکار کو خانوں میں تقسیم کرنا مناسب نہیں اور یہ بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ ہر ان کے پاس جو وحدتِ فکر کارفرما نظر آتی ہے اس کی بنیاد اسلامی تعلیمات پر ہے۔ ذیل کے سطور میں مولانا آزاد کے ان افکار کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے جو انھوں نے ہندوستان کی آزادی کے بعد پیش کیے تھے۔

۱۹۴۷ء میں وہ ہندوستان کے پہلے وزیر تعلیم بنائے گئے اور ان کی وفات ۱۹۸۵ء تک اس اہم عہدہ پر وہ فائز رہے۔ ان کے دور وزارت میں جب قوم کی تعمیر کا آغاز ہوا اس وقت سب سے اہم مسئلہ ملک میں قیام امن کا تھا چاروں طرف فساد اور خونریزی کا بازار گرم تھا۔ فسادات کو پولس اور فوج سے روکا جاتا ہے۔ سیاسی قائدین سماجی کارکن اپنی اپنی جگہ ''امن'' کے لیے کوشش کرتے ہیں۔ مولانا آزاد نے بھی سب کے ساتھ قیام امن کے لیے تقریریں کیں تجاویز

آواز کے بعد سب سے بڑی آواز جو ہوسکتی ہے وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان تھی اس وجود مقدس نے ایک عہد نامہ لکھا بجنہ یہ الفاظ روس کے ہیں'' انا ستّے وحدہ'' ہم ان قبیلوں (غیر مسلم) سے جو مدینہ کی اطراف میں بستے ہیں صلح کرتے ہیں۔ اتفاق کرتے ہیں اور سب مل جل کر ایک نیشن بنانا چاہتے ہیں۔ اگر میں نے اپنی اپیل میں کہہ دیا کہ ہندوستان کے مسلمان اپنا بہترین فرض اس وقت انجام دیں گے جب ہندوؤں کے ساتھ ایک ہو جائیں گے تو یہ وہ الفاظ ہیں اللہ کے رسول نے اس وقت لکھوا دیا تھا جب ہم سب مل کر قریش کے مقابلے میں ایک نیشن بن جانا چاہتے تھے۔ (خطبہ صدرات۔ مولانا ابوالکلام آزاد)

مولانا ابوالکلام آزاد کے مندرجہ بالا افکار ہندوستان کی سیاسی حالات یا یہاں کی جنگ آزادی تک محدود نہیں تھے اور مولانا کہ یہ افکار ہندو مسلم اتحاد تک محدود نہیں اگر اس کو کھلے دل سے اور وسعتِ نظر سے دیکھا جائے تو اقوام عالم کے اتحاد کے لیے یہ اسلامی نظر آج بھی ضروری ہے۔ اس طرح مولانا آزاد کا اسلامی شعور یا ان کی نظر کی وسعت ایک متحدہ انسانیت کی یا متحدہ قومیت کی اور اس سے بڑھکر ایک پُرسکون دنیا کی طمانیت دیتی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کا منشاء ہے

انداز پر ہوئی بظاہر ہماری متذکرہ تفصیلات زیر بحث موضوع سے ہٹی ہوئی معلوم ہوتی ہیں یہاں بھی اس بات کا اظہار ضروری ہے وہ یہ کہ عالمی امن کے لیے اسلام نے مفاہمت کی تعلیم دی ہے اور مولانا آزاد کی نظر اس بات پر ہر وقت جمی رہی۔ چنانچہ مولانا ابوالکلام آزاد کے دور وزرات میں جو قومی نظام تعلیم کا نقشہ تیار ہوا وہ مفاہمت کا ہے دوسرے الفاظ میں غیر مذہبی یا سیکولر ہے۔ اب اس بات کی صراحت کی ضرورت نہیں کہ تعلیم ہی صرف اور صرف وہ ذریعہ ہے جس سے ذہنِ انسانی کی تعمیر ہوتی ہے۔ نسل کو جنگ کے لیے تیار کریں یا امن اور خوشحالی کے لیے یہ کام قومی نظام تعلیم انجام دیتا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے امن کے نام پر قومی تعلیم کا تذکرہ نہیں کیا بلکہ ایک پرامن ترقی پزیر سیکولر غیر مذہبی قوم کی تعمیر کے لیے نظام تعلیم کی تشکیل کی صورت گری کی اب اس نگاہ کی پاکیزگی پر غور فرمائیں۔ سیکولر انداز فکر اسلام کا عطیہ ہے۔ اس اجمال کی تفصیل مولانا آزاد کے افکار میں ملاحظہ کی جیئے فرماتے ہیں:

''ہندوستان کے ساتھ کروڑ مسلمان ہندوستان کے ۲۲ کروڑ ہندوؤں کے ساتھ مل کر ایسے ہو جائیں کہ دونوں مل کر ایک قوم اور Nation بن جائیں۔ اب مسلمان بھائیوں کو بتانا چاہتا ہوں کہ خدا کی

سکوں اور خوشحال معاشرہ کے قیام کے لیے ماحول پیدا کرتا ہے۔ دورِ جدید میں اس کو ایک نئے انداز سے پیش کیا جاتا ہے۔ جس کو ''کلچر'' کا نام دیا گیا ہے۔ کبھی اس اندازِ فکر کو ''Civilization'' کہا جاتا ہے۔ یہاں دلچسپ بات یہ ہے کہ جس طرح انسان کی تاریخ کے ابتدائی دور میں اور اس کے بعد قرونِ وسطی میں متذکرہ کئی عوامل کی وجہ انسان کا خون بہایا گیا۔ اسی طرح آج ''کلچر'' کے نام پر انسان کو تقسیم کیا جاتا۔ مثلاً یہ مشرقی تہذیب ہے یا یہ مغربی تہذیب ہے۔ اس بارے میں مولانا ابوالکلام آزاد نے دنیا کو ایک عظیم کلچر اور زندگی کے سلیقہ سے آگاہ کیا۔ وہ مستقبل میں جنم لینے والے انسان کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔ انھوں نے انسان کو عرب اور عجم کی وادیوں میں محدود نہیں کیا بلکہ اپنی بحث کا جواز اسلامی کلچر کے حوالے سے واضح کیا۔

کلچر کی روح کو سمجھنے اور اس کے مختلف پہلوؤں پر غور کرنے کے لیے ایک نہایت ہی تیز نظر کی ضرورت ہوتی ہے، اسلامی کلچر کی روح کو سمجھنے اور اس کے مختلف پہلوؤں پر اچھی طرح غور کرنے کے لیے جس گداز قلب اور حقیقت پسند نظر کی ضرورت ہے وہ ہمارے پاس بہت کم ہے آج کی زندگی کا سب سے بڑا

اور اس کا پیغام صرف اسی مقصد یعنی انسان کی فلاح کے لیے ہے اور اس پیغام کو دنیا کے سامنے پیش کرنے والی بزرگ و برتر ہستی اللہ کے رسول رحمت عالم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے جو ہر لحاظ سے امن کے پیغامبر اور نجات کا سرچشمہ ہیں۔ مولانا آزاد ایسی مقدس ترین ہستی کے ارشادات پر نظر رکھے ہوئے تھے اور صحیح معنوں میں صرف ملّت اسلامیہ نہیں بلکہ ساری انسانیت کے لیے انکے افکار ہمارا عالمی ورثہ ہیں۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے جس طرح سائنس سے پیدا ہونے والے خطرات کو فلسفیانہ انداز میں پیش کیا تھا۔ اسی طرح سماجی امور پر بھی ان کی نظر میں وسعت تھی۔ یہاں بھی انکا اندازِ فکر اسلامی تعلیمات کی وجہ سے تدبّر کا حامل ہے۔ سماجی علوم میں Social Sciences کلچر کا لفظ اپنے اندر غضب کی معنویت رکھتا ہے دنیا کا امن اور چین کبھی خودغرض سیاست کی وجہ سے بر باد ہوا تو کبھی مذہبی منافرت کی اور عقائد کی بوقلمونی نے انتشار پیدا کیا، کبھی علاقائی عصبیت نے امن کو تباہ کیا تو کبھی رنگ و نسل نے انسان اور انسان کے درمیان منافرت کی دیوار کھڑی کردی۔ اسلام ان سب غیر فطری باتوں کو ختم کر کے ایک صالح، پر

خاسِا وّهو ا خسبر ٤،٣٠٦

اس نے تہ تہ سات آسمان پیدا کیے تو (خدائے) رحمان کی اس صفت میں کچھ نقص نہ دیکھے گا۔ پھر آنکھ اٹھا کر دیکھ بھلا تجھ کو (آسمان میں) کوئی شگاف نظر آتا ہے؟ پھر دوبارہ اچھی طرح دیکھ (نتیجہ یہ ہوگا کہ) ہر بار نظر ناکام ہوکر اور تھک کر تیرے پاس لوٹ کر آئیگی۔

مندرجہ بالا آیتوں کو لکھنے کے بعد مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:

''قرآن کہتا ہے کہ ہر چیز ایک ایسی ہستی کی پیدا کی ہوئی ہے جو صرف خالق ہی نہیں بلکہ ساتھ ہی خدائے رحمت بھی ہے اور جہاں رحمت کی کار فرمائی ہوگی وہاں جمال و تکمیل کی جلوہ گری بھی ہوگی''۔

اس اقتباس میں بھی جنگ یا امن جیسے الفاظ نہیں ملتے لیکن قیام امن کے لیے مولانا آزاد کی اسلامی نظر ہم کو راہ دکھاتی ہے وہ یہ کہ حسن و جمال کے شیدائی اور اس کائنات کی خوبیوں کو دیکھنے اور سمجھنے والے کبھی اس دنیا کو تاراج نہیں کریں گے۔

تقاضہ یہ ہے کہ ثقافتی قدروں کا مطالعہ کریں اور ان قدروں کے حسن سے حظ حاصل کریں۔ موجودہ زندگی کا یہ واقعی المیہ ہے کہ ثقافتی مسئلوں کو ثانوی اہمیت دی جاتی ہے۔ حالانکہ آرٹ، سائنس اور فلسفہ کی اہمیت ایک پرامن معاشرہ کے لیے بہت زیادہ ہے۔

کلچر یا تہذیب یا تمدن جیسے الفاظ کی تشریح ضخیم کتابوں کی صورت میں گذشتہ دوصدیوں کے دنیا کے سامنے آ گئی ہیں۔ اب ذرا مولانا ابوالکلام آزاد کا تصورتہذیب ملاحظہ کیجیے:

قرآن کہتا ہے حسن عبادت ہے تناسب و موزونیت سے دور ہر وجود کو یہ خوبی عطا کی گئی ہے اور اس کے ساخت وترکیب میں کوئی نقص نہیں۔

فبراك اللّٰهأ حسَنُ الخَا لِقِين٢٣:١١٤

بس کیا ہی بابرکت ہے سب سے زیادہ حسن وخوبی کے ساتھ بتانے والا

الذی خلق سبع سما وات طباقا ما تری فی خلق الرحمٰن من تفوت فا رجع البصر هل تری من فطور ثمه ارجع البصر کر تین ینقلب الیك البصر

وتنھون عن المنکر و تؤمنون باللّٰہ۔

سچ یہ ہے کہ پل صراط کی راہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے اور اس کے نیچے آتش جہنم کے شعلے بھڑک رہے ہیں۔ لیکن اس کا سامنا قیامت ہی کے دن پر کیوں اُٹھا رکھا جائے۔ (الدنیا مزرعۃ الاٰخرۃ) آج دنیا کے سفر میں بھی پل صراط ہر شخص کے سامنے ہے۔

یہ پل صراط درحقیقت اخلاق کی دشوار گذار راہ ہے، جذبات وامیالِ انسانی کے اعتدال کا لاینحل مسئلہ ہی اصلی پل صراط ہے، بال سے زیادہ باریک، تلوار کی دھار سے زیادہ تیز اور اس کے نیچے ہلاکت و بربادی کا قعر آدم کی اولاد میں سے کوئی نہیں جس کو اس پر ایک بار نہ گذرنا ہو۔

و اِن منکم اِلاّ و اردھا کان علی ربك حتماً مقضیا۔

تم میں سے کوئی نہیں جو اس پر سے نہ گذرے، یہ ایک وعدہ اور فیصلہ ہے، جس کو خدا نے اپنے اوپر لازم کرلیا ہے۔

اخلاق کے سینکڑوں مشکل مسائل میں سے ایک مشکل تر مگر اصولی مسئلہ حُب و بُغض، تحسین و تذلیل اور عفو و انتقام کا بھی ہے۔ ایک طرف اخلاق ہم کو تلقین کرتا ہے کہ دلی محبت کے لئے مخصوص کردو، کہ اس گھر کے لئے یہی فانوس

مولانا آزاد کی نظروں میں
اسلام کا پیغام امن وآشتی

- محمد طیب ابراہیم

مفکر اسلام، امام الہند، حضرت علاّمہ، مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ کی نظروں میں دنیائے انسانیت کے نام، اسلام کا پیغام امن وامان اور صلح وآشتی یہی ہے کہ اس بوڑھی دنیا کی کبڑی پیٹھ کے اوپر جہاں کہیں بھی آدم کی اولاد، انسان آباد ہے، وہ تعصّب و جانبداری سے ہٹ کر، اغراض وخواہشاتِ نفسانی سے بالاتر ہوکر، اپنے طور پر معروف کی اشاعت اور منکر ے سد باب یعنی نیکی کی اشاعت اور بدی کی روک تھام کی اس عالمگیر تحریک میں شامل ہوکر اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہونے کی کوشش میں لگ جائے جس کو اس کے خدا نے اس پر بطور فرض عائد کرر کھا ہے۔

کنتم خیر امة اخرجت للناس تأمرون با لمعروف

کرا پنے سینے سے جگہ دیتا تھا، تو اب سرکشوں کے سروں کو اپنی ٹھوکروں سے پامال کرتا ہے۔ اور پھر ساتھ ہی یہ حالت ہے کہ اس کی پہلی تعلیم سے اگر معبدوں اور خانقاہوں میں رونق پیدا ہوتی تھی تو اس عمل سے دنیا میں انتظام اور قانون قائم ہوتا ہے۔

ایسی حالت میں اصول کے لئے ایک سخت تصادم اور کشمکش پیدا ہو جاتی ہے، اور فیصلہ ہکّا بکّا رہ جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ ان متضاد حالات میں راہ تطبیق کیا ہے؟ عفو و درگذر کے اصول سے کام لو تو دنیا میں نیکی و بدی کی تمیز اُٹھ جاتی ہے۔ انتقام و پاداش کی راہ اختیار کرو تو دنیا سے رحم و محبت نو بود ہو جاتی ہے، سب کو اچھا کہتے تو صرف اچھوں کے لئے، پھر آپ کے پاس کیا ہے؟ برائی کیجئے تو اس کے حدود اور فیصلہ کن کیا ہیں؟

غلامی کے حلقوں کے لئے سب کے کان چھیدے ہوئے ہیں، پاؤں برسوں سے بوجھل بیڑیوں کے عادی ہو گئے ہیں، ان حلقوں اور بیڑیوں کے لئے ضروری نہیں کہ وہ تخت و تاج ہی کی طرف سے بخشے گئے ہوں، بلکہ ہر چاندی کا ڈھیر ہر قیمتی موٹر، ہر ہوٹل کی اعلیٰ ترین منزل کا مقیم اور ہر وہ مدعی جس کے گلے میں طاقت اور جیب میں سکّے ہوں، ایک قانونی اور موروثی حق رکھتا ہے کہ جس کو

موزوں ہے، اُنیس سو برس پیشتر کا ایک اسرائیلی واعظ کہتا ہے کہ دشمنوں کو بھی پیار کرو، کیونکہ اگر صرف چاہنے والوں کو چاہا تو تمہارے لئے کیا اجر؟

اخلاق کے اولین اور سامنے کے سبق یہی ہیں کہ پیار کرو، خاکسار بنو، کسی سے بغض نہ رکھو، سب کی عزت کرو، انسان کی انسانیت کا بغیر تفریق ادب کرو، اور جس کو سامنے دیکھو سر جھکا دو، سوسائٹی نے بھی صدیوں سے ان تعلیموں کو اعتقاداً قبول کرلیا ہے۔ اور اصلاحی اخلاق، مروت، پاس ولحاظ، شرم وحیا، شرافت وانسانیت، تمام الفاظ انہیں معنوں میں بولے جاتے ہیں، لیکن اس کے مقابلے میں اسی اخلاق کا ایک دوسرا پارٹ ہے، جہاں اگر اس کی یہ غربت و مسکین صورت ایک سخت اور جابرانہ خشونت سے مبدول ہو جاتی ہے اور دنیا میں اگر اس کی صدا پہلی تعلیم دیتی ہے، تو خود اس کا عمل دوسری مشکل میں سامنے آتا ہے، وہ چور کو قید کرتا ہے، قاتل کو پھانسی پر چڑھاتا ہے۔ نیکی کی جتنی تعریف کرتا ہے، اتنی ہی بدی کو بُرا بھی کہتا ہے، زید کو کہتا ہے کہ وہ نیک ہے۔ اس لئے اچھا ہے، عمر کو کہتا ہے کہ تم بداعمال ہو، اس لئے بُرے ہو۔ ظلم سے ظلم کا اور مجرم سے اُس کے جُرم کا مطالبہ کرتا ہے، پہلی حالت میں جس قدر عاجز تھا اتنا ہی اس حالت میں متکبر اور مغرور ہو جاتا ہے۔ پہلے عاجزوں کے جُھکے ہوئے سروں کو اُٹھا

اگر میرے سوا کسی دوسری ذات کو تو نے اپنا معبود بنایا تو میں تجھ کو قید کر دوں گا۔

کاغل کچ جاتا ہے، اور صرف یہ معبودانِ باطل ہی نہیں بلکہ ان کے پرستار بھی چاروں طرف سے ٹوٹ پڑتے ہیں۔ یہ ایک قدیمی سنت ہے اور دنیا میں جب کبھی سچائی آئی ہے تو اس کو ہمیشہ ایسے ہی لوگوں سے مقابل ہونا پڑا ہے۔

دنیا میں جتنی برائیاں ہیں غور کرو تو وہ افراط و تفریط کے سوا اور کوئی حقیقت نہیں رکھتیں، انسان کے تحفظ خود اختیاری اور حفظ حقوق کے لئے غیرت اور ہیجان کا ہونا ضروری تھا، لیکن یہ جذبات اپنی حد سے آگے قدم بڑھاتے ہیں تو فطرت کی بخشی ہوئی شَے جو یقیناً نیکی تھی، یکا یک بدی بن جاتی ہے، اور اس کا نام جُرم اور گناہ ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن اپنی اصطلاح میں ہر جگہ معصیت اور گناہ کے لئے اسراف کا لفظ اختیار کیا ہے۔

قل یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللّٰہ۔

اے میرے بندو! کہ تم نے اپنے نفوس پر اسراف کیا ہے رحمت الٰہی سے مایوس نہ ہو۔

چاہے اپنے حلقۂ غلامی کے انتساب کا فخر دے دے، رسولِ عربیؐ کے وقت تین سو ساٹھ بُت تھے۔ جس سے بیتِ خلیل کی دیواریں چھپ گئی تھیں، لیکن آج اس کی امّت میں ہر چمکیلی ہستی لات ومنات کی قائم مقام ہے۔ اور ہر حاکم، ہر رئیس، ہر حکام رس، اور سب کے آخر مگر سب سے پہلے ہر خوش لباس لیڈر، ایک بُت کا حکم رکھتا ہے، پوری ملتِ موحدان کی پوجا اور پرستش میں مشغول ہے۔ اور بعینہٖ اس پرستش کا وہی جواب رکھتی ہے جو قریش مکہ کے پاس تھا۔

مَا نعبدهم اِ لا ليقربونا الى الله زلفىٰ ويعبدون من دون اللهمالا ينفعهم ولا يضر هم و يفولون هؤلاء شفعاء نا۔

اس انسان پرستی ہی کا نتیجہ ہے کہ بالعموم طبیعتیں مدح وتحسین کی عادی ہو گئی ہیں۔ نکتہ چینی اور نقد واعتراض کی متحمل نہیں ہوسکتیں، ہر شخص مخاطب سے اگر کوئی قدرتی امید رکھتا ہے تو یہی ہوتی ہے کہ مدح ومنقبت کا ترانہ سُنائے۔ اور بادۂ تحسین وآفریں کی پے در پے بخشش سے ساتھی کا ہاتھ کبھی نہ تھکے، شرک وبت پرستی کے اس عام سکوں میں اگر کوئی صدائے توحید خلل انداز ہوتی ہے تو ہر طرف سے اپنے ایک قدیمی پیشرو کی طرح

لئن اتخذتَ اِلهٌ غيرى لاجعَلنكَ من المسجونين ۔

غضب ناک ہونا اور مناسب سزا دینے کی جگہ مار پیٹ سے کام لینا۔ بے شک اس کے جرم کی پاداش ملنی چاہیے، اس لحاظ سے آپ کے غصے کا خرچ اپنے صحیح مصرف میں ہوا۔ لیکن جس مقدار اور جس صورت میں آپ خرچ کر رہے ہیں یہ اس کے حدود اور اس کی ضرورت سے زیادہ ہے اور اسی کا نام اسراف ہے۔ بر خلاف تبذیر کے کہ اس کی تعریف صرف الشئی فیما لا ینبغی بیان کی گئی ہے۔ یعنی کسی چیز کو اس کے مصرف کے علاوہ دوسری جگہ خرچ کرنا۔ مثلاً دولت، نفس کے ضروری آرائش، اعزہ و اقارب کی اعانت اور اعمال حسنہ میں خرچ کرنے کے لئے ہے، مگر آپ اسے محض اپنی جاہ و نمائش، دنیوی عزت اور حکام کی نظروں میں رسوخ حاصل کرنے کے لئے با سمائے مختلفہ لٹانا شروع کر دیں، تو قرآن کریم اس کو تبذیر سے تعبیر کرے گا، اور چونکہ اس کا نقصان اسراف سے شدید تر ہے، اس لئے وعید بھی سخت وارد ہوئی ہے کہ مسرف کے لئے تو صرف اِن اللّٰہ لا یحب المسرفین ۔ خدا اسراف کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا''۔ فرمایا اور تبذیر کے مرتکبین کو کانوا اخوان الشیا طین کہہ کر شیطان کے اخوان و اقارب میں شمار کیا گیا۔

بھوک اور پیاس میں غذا اور پانی کا صرف، ایک بالکل صحیح مصرف کا

یہاں مسرفین سے مراد سخت درجے کے گنہگار اور معصیت شعار انسان ہیں، کیونکہ آیت کا شانِ نزول نیز آگے چل کر اِن اللّٰہ یغفر الذنوب جمیعاً کہنا اس کی پوری طرح تشریح کر دیتا ہے۔ اسراف کی تعریف اسراف الشیء فیما ینبغی زائد ا علی ما ینبغی اور تجاوز الحد فی کل شئی، (راغب) ہے۔ یعنی کسی چیز کو اس کی ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا، اور ہر شے کا اپنی حد سے تجاوز کرنا۔ اس سے بڑھکر گناہ کی اور کیا تعریف ہوسکتی تھی کہ وہ قوتوں اور خواہشوں کے بے اعتدالانہ خرچ کا نام ہے۔ اسراف کے علاوہ اصطلاح قرآن میں ایک لفظ تبذیر بھی ہے۔

انالمبذرین کا نوا اخوان الشیاطین ۔

بے موقع اور بے ضرورت مال و دولت کو ضائع کرنے والے
شیطان کے بھائی ہیں۔

لیکن تبذیر اور اسراف میں ایک باریک فرق یہ ہے کہ کسی شے کے خرچ کرنے کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں۔ بعض چیزیں خرچ تو کی جاتی ہیں ان کے ٹھیک ٹھیک مصرف میں، لیکن مقدار صرف، ضرورت اور حد معینہ سے زائد ہوتی ہیں، اور طریقہ سرف صحیح نہیں ہوتا۔ مثلاً ایک مجرم پر اس کے جرم سے زیادہ

میزان الموازین، قسطاس المستقیم اور عدم تطفیف اور اسی طرح کے بیسیوں الفاظ اسی مقامِ عدل سے عبارت ہیں، وہ ہر جگہ اور ہر تعلیم میں، لا تعدوا (زیادتی مت کرو) اور اعدلوا (عدل کرو) کے اصول کی دعوت دیتا ہے۔ اور راہِ عدل کو اقرب الی التقویٰ بتلاتا ہے، اس کی تعلیم کا خلاصہ ہر شے میں یہ ہے۔

ولا تـجـعـل يـد ك مغلو لةً الى عنقك ولا تبسطها كل البسـط فقعد ملوماًمحسوراً

اور اپنے ہاتھ نہ تو اس طرح سکیڑو کہ گویا گردن میں بندھ گیا ہے، اور نہ بالکل پھیلا ہی دو، ورنہ تم خالی ہاتھ بیٹھے رہ جاؤ گے اور لوگ تم کو ملامت کریں گے۔

ہر کام کے لیے اس آیت میں اعتدال کی ایک جامع مثال بیان کر دی گئی ہے۔

پس جس جماعت کا فرض دعوت الی الخیر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہو گا وہ دنیا میں ایک ایسی طاقت ہو گی جو صرف نیکی ہی کی خاطر دنیا میں بھیجی گئی ہے اور نیکی عبارت ہے عدل سے اور بدی اس کے عدم سے، اس لئے فی الحقیقت وہ عدل کو قائم رکھنے والی اور افراط وتفریط کو روکنے والی جماعت ہو گی۔

خرچ ہے، اور اشیاء کا بے موقع خرچ کرنا نہیں ہے۔ غذا کھانے ہی کے لیے ہے اور پانی پینے ہی کے لئے۔ لیکن اگر حد خواہش اور ضرورت سے زیادہ کھایا جائے۔ یا ان کی تیاری میں وشرب میں بے جا روپیہ صرف کیا جائے تو یہ اسراف ہو جائے گا۔ اسی لئے فرمایا کہ اسراف مت کرو۔ لیکن ایک دوسرے موقع میں صورت مختلف تھی

واٰتِ ذی القربیٰ حقّه والمسکین و ابن السبیل ولا تبذر تبذیرا۔

اور اقارب کا حق ان کو دو نیز مسکین اور مسافر کے حقوق ادا کرو اور دولت بے جا مت ضائع کرو۔

یہاں چونکہ مقصد یہ تھا کہ دولت کا مصرفِ صحیح، اعزہ واقارب کے حقوق ادا کرنا ہے۔ پس دوسرے کاموں میں اس کو بے موقع خرچ نہ کرو اس لئے اسراف نہیں کہا بلکہ تبذیر کے لفظ سے تعبیر کیا۔

حاصل یہ ہے کہ گناہ، معصیت، فسق، جُرم اور ہر وہ شے جس میں عدل پایا جائے یقیناً نیکی اور عمل خیر ہے۔ قرآن ہر جگہ، ہر طرح محاسن وفضائل کو اسی جامع و مانع لفظ سے تعبیر کرتا، اس کی اصطلاح میں، صراط مستقیم، توازن قسط،

کیا جا سکتا۔ جونہی دونوں پلڑوں کا وزن مساوی ہوگا، معاً سوئی بھی وسط میں آ کر ٹھہر جائیگی۔

اسی لئے قرآن نے اکثر مقامات میں ترازو کی مثال سے کام لیا ہے، اور قیامت کے دن بھی انسانی اعمال کا فیصلہ اسی کے ہاتھ ہوگا۔

فا ما من ثقلت موا زينه ۔ فهو فی عيشةرّا ضية ۔

وامّا من خفت موا زينه فا مه ها ويه ۔

یہی سبب ہے کہ وسط کو عدل کے معنوں میں بولا جاتا ہے اور فی الحقیقت (وکذٰلك جعلنا کم امة وسطاً) میں بھی وسط سے مراد عدل ہی ہے۔

جس جماعت کا فرض امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہو۔ اس سے بڑھ کر اور کون سی جماعت عنداللہ اور عندالناس عادل ہوسکتی ہے؟ پس خداتعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے تم کو تمام دنیا کے لئے ایک عدل قائم کرنے والی امت بنایا تاکہ دنیا کے لئے تم ایک گواہِ عادل کی حیثیت سے شہادت دے سکو۔

قرآن حکیم کی زیرنظر دو آیتیں، ایک ہی سورت اور ایک ہی رکوع میں ہیں، دونوں میں شدید اختلاف کیوں ہے؟ پہلی میں یہ فرض محدود اور مخصوص، اور دوسری میں عام ہے۔

اب عدل کی حقیقت پر غور کرو تو فی الحقیقت ہر شے کے وسطی اور درمیانی حالت کا نام ہے۔ کسی ایک طرف جُھک پڑے تو یہ افراط وتفریط ہے، لیکن ٹھیک ٹھیک درمیان میں اس طرح کھڑے رہے کہ بال برابر جگہ بھی کسی طرف زیادہ نہ بچی ہو۔ تو اس کا نام اعتدال اور عدل ہوگا۔ قرآنِ کریم نے اس کی نہایت عمدہ مثال دی ہے

وزنوا بالقسطاس المستقيم ذلك خير و احسن تاويلا۔

جب کسی چیز کو تولو تو ترازو کی ڈنڈی سیدھی رکھو (تاکہ وزن میں دھوکا نہ ہو) یہی طریق خیر اور نیک انجام ہے۔

ایک دوسری جگہ اس طرح فرمایا گیا ہے۔

ويل للمطففين

ناپ تول میں کم دینے والوں کے لئے بڑی تباہی ہے

عدل کے لئے سب سے زیادہ مشاہدے میں آنے والی اور عام فہم مثال ترازو کی تھی، کہ اس کے تمام اعمال کی صحت کا دارومدار محض اس کے اوپر کی سوئی پر ہے۔ جب تک کہ وہ ٹھیک ٹھیک اپنے وسط میں قائم نہ ہو جائے وزن کا اعتبار نہیں

اس غلطی سے پہنچا اور پہنچ رہا ہے۔ اسلام کی وہ دعوتِ الٰہی جو ایک عالم گیر اصلاح اور بین الملی جامعہ کے قیام کے لئے آئی تھی۔ اس غلط فہمی سے زیادہ عرصے تک قائم نہ رہ سکی، خلافت و نیابتِ الٰہی کا وہ شرف جو مسلمانوں کو عطا کیا گیا تھا، اور جس کی وجہ سے بحیثیت ملی وہ تمام عالم میں خدا کا مقدس دستِ عمل تھے، بد بختانہ اس غلط فہمی سے خاک میں مل گیا۔

رؤسائے روحانی اور پیشوایانِ مذہب نے جو مشرکانہ اختیارات اپنے لئے مخصوص کر لئے تھے، اور جن کی غلامی سے دنیا کو نجات دلانا اس دینِ الٰہی کا اصلی مشن تھا، اس کی بیڑیاں پھر اسی غلط فہمی کی لعنت سے مسلمانوں کے پاؤں میں پڑیں اور ایسی پڑیں کہ اب تک نہ نکل سکیں۔ چالیس کروڑ فرزندانِ الٰہی جن کو اپنے اعمالِ حسنہ سے دنیا میں خدا کی تقدیس کا تختِ جلال بننا تھا، آج اپنی بداعمالیوں سے تمام قومی جرائم اور ملی معاصی میں گرفتار ہیں، اور قہرِ الٰہی کو مدتوں سے دعوت دے رہے ہیں۔ یہ وہی معاصی ہیں جن کی پاداش میں اقوام گزشتہ سے خدا نے اپنا رشتہ توڑا تھا، جن کی وجہ سے (داؤد کے بنائے ہوئے) ہیکل سے روٹھ کر رحمتِ الٰہی نے اسمٰعیل کی چُنی ہوئی دیواروں کو اپنا گھر بنایا تھا۔ اور پھر جن کی وجہ سے بنی اسرائیل کو اپنی نیابت سے معزول کر کے مسلمانوں کو اس پر سرفراز

پہلی آیت : ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر و یأمرون با معروف۔

تم میں سے ایک جماعت ہونی چاہیے جو خیر کی طرف بلائے، اور نیکی کا حکم دے۔

دوسری آیت: کنتم خیر امة اخرجت للناس تأمون بالمعروف۔

تم سب میں بہتر امت ہو، اس لئے کہ نیکی کا حکم دیتے ہو۔

پہلی آیت (و لتکن منکم) میں (من) کو تبعیض کے لئے قرار دے کر ہمارے مفسرین کرام نے دعوت الی الخیر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تینوں ذمہ داریوں کو علما کے فرائض میں داخل کرلیا۔ حالانکہ (من) تبعیض کے لئے نہیں بلکہ تبیین کے لئے ہے۔

درحقیقت یہ خیال عملاً اور اعتقاداً ایک ایسی خطرناک غلطی تھی جس کو میں نہیں سمجھتا کہ کن لفظوں سے تعبیر کروں؟ اس تیرہ سو برسوں میں اسلام کو ان تمام غلط فہمیوں سے سابقہ پڑا جو اس سے پہلے اہم سابقہ کو پیش آچکی ہیں۔ لیکن کسی سخت سے سخت تحریف نے بھی مسلمانوں کو ایسا لاعلاج نقصان نہیں پہنچایا جیسا

کا معبودانہ اقتدار ہے۔ اسلام نے اس زہر کا تریاق اسی اصل اصول کو تجویز کیا تھا کہ امر بالمعروف کی خدمت کو اس طرح عام اور ہر فرد ملت پر پھیلا دیا جائے کہ پھر کسی مخصوص گروہ کو اس ذریعہ سے اقتدار حاصل کرنے کا موقع نہ ملے۔ اور ہندوؤں کے برہمنوں اور عیسائی رومن کیتھولک فادروں کی طرح مذہبی دعوت و اصلاح کو کوئی جماعت اپنی اقلیم حکمرانی نہ بنالے کہ یفعل ما یشآء و یحکم ما یرید ۔لیکن اب صدیوں سے دیکھیئے تو مسلمان جن بیڑیوں کو کاٹنے آئے تھے۔ اُن سے خود اُن کے پاؤں بوجھل ہو رہے ہیں۔ اس فرض الٰہی کو علما نے اپنا موروثی حق بنالیا ہے۔ شیطان (اپنی قدیم عادت کی طرح) جب ضرورت دیکھتا ہے ان کو اپنے اعمالِ ابلسانہ کے لئے اپنا آلہ کار بنالیتا ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی جگہ (امر بالمنکر اور نہی عن المعروف) کے فرائض ان کے انجام پاتے ہیں۔ باقی تمام قوم اپنے اس فرض کی طرف سے بالکل غافل اور بے خبر ہے اور جہل مذہبی کے سبب سے علماء کے اس غصب حقوقِ عامّہ پر قانع ہوگئی ہے۔ خدا کی حکومت کو کوئی بھی اپنے اوپر محسوس نہیں کرتا، نیکیوں کی طرف سے سب کی آنکھیں بند ہیں۔ اور برائیوں پر سے ہر شخص اس طرح گذر جاتا ہے گویا اس کو کان سننے کے لئے اور آنکھیں دیکھنے کے لیے ملی ہی نہیں۔ فـا نهـا لا تعمى الابصار ولكن تعمى القلوب التى فى الصدور۔

کیا تھا۔

ولقد اھلکنا القرونَ من قبلکم لمّا ظلموا وجآء تھم رُسُلُھم با لبیّنٰت وما کا نوا لیؤمنوا ، کذلك نجزی القوم المجرمین ، ثم جعلنا کم خلائف فی الا رض من بعدھم لننظرَ کیف تعلمون ۔

اور تم سے پہلے کتنی قومیں گذر چکی ہیں کہ جب انہوں نے ظلم و معاصی پر کمر باندھی تو ہم نے انھیں ہلاک کر دیا۔ ان کے رسول کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے تھے مگر انہیں ایمان نصیب نہیں ہوا، مجرموں کو ہم ایسی سزا دیا کرتے ہیں، پھر ان کو ہلاک کرنے کے بعد ہم نے تم کو دنیا کی بادشاہت دے کر ان کا جانشین بنا دیا تا کہ دیکھیں کہ کیسے عمل کرتے ہو۔

لیکن یہ سب کچھ کیونکر ہو؟ اس طرح اعتقاد ہی سے عمل وجود پزیر ہوتا ہے۔ اس غلط فہمی کا پہلا نتیجہ یہ نکلا کہ امر بالمعروف روز بروز ایک محدود دائرے میں سمٹتا گیا، اور سمٹتے سمٹتے ایک غیر محسوس نکتہ بن کر رہ گیا۔ اب اس کے وجود میں بھی شک ہے۔

دنیا کے تمام مذاہب وانحطاط و ہلاکت کی ایک بڑی علت رؤساء مذہبی

گذشتہ بیان سے متحقق ہوگیا کہ اسلام نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنے ہر پیرو پر فرض کر دیا ہے، لیکن اصل بحث ابھی باقی ہے۔ اس تعلیم کو اصولاً واعتقاداً کون نہیں مانتا، لیکن اخلاق اور مذہب کی ہر تعلیم میں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اعتقاد اور عمل دو مختلف چیزیں ہیں۔ جو اصول قابل عمل نہ ہو، وہ کاغذ کے صفحوں پر کتنا ہی دلفریب ہو مگر انسانی مصائب کے لئے کیا مفید ہوسکتا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ دنیا اس اصول پر کہاں تک عمل کرتی ہے۔ اگر دنیا اس پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو جاتی ہے تو جبر وتشدد، ظلم وستم، اور فتنہ وفساد سے بھرپور دنیا امن و شانتی، صلح وآشتی، اور امن وآزادی کا گہوارہ بن سکتی ہے۔

آدم وحوا کے بیٹوں اور بیٹیوں کے نام دین فطرت اسلام کا یہی پیغام ہے کہ ''نیکی پھیلاؤ اور بدی سے خود بھی بچو اور دوسروں کو بچاؤ''۔